اِذَا اَرَدْتَهٗ اَنْ نَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

اُردو ترجمہ

شجرۃ الکون

لطیف تصنیف

حضرت امام الموحدین سید المکاشفین، شیخ اکبر محی الدین محمد علی بن طائی اندلسی المعروف ابن عربی قدس اللہ سرہ

مترجم و مرتب! ابو الحقائق علامہ صوفی محمد صدیق بیگ قادری رحمۃ اللہ علیہ

علی برادران تاجران کتب

ارشد مارکیٹ
جھنگ بازار فیصل آباد







شجرۃ الکون

اردو ترجمہ

تصنیف لطیف حضرت امام الموحدین سید المکاشفین شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی طائی اندلسی المعروف بہ ابن عربی قدس اللہ سرہ

مترجم و مرتب ابو الحقائق علامہ صوفی محمد صدیق بیگ قادری

علی برادران تاجران کتب
نزد جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

نام کتاب ———— شجرۃ الکون
مصنّف ———— شیخ اکبر ابنِ عربی
مترجم ———— محمد صدیق بیگ قادری
ناشر ———— علی برادران
جھنگ بازار فیصل آباد
طابع ———— حافظ محمد انیس
کتابت ———— احسن القلم مبارک رقم
تعداد ———— ایک ہزار
سالِ اشاعت ———— ۱۹۸۵ء/۱۴۰۶ھ
قیمت ———— روپے

تقسیم کار:۔ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے فیصل آباد

بسعی و اہتمام

فضل کریم نقشبندی

فہرست عنوانات

تعارف

(وجہ ترجمہ کتاب)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَعِتْرَتِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّابَعْدُ۔ بندہ ابھی اشاعت کتاب "حقیقت کعبہ" سے فارغ ہی ہوا تھا اور کتاب "شجرات عالم فی انساب بنی آدم" کی تدوین وتالیف میں مصروف ومنہمک تھا کہ اچانک نوری بک ڈپو پر جناب مولانا رشید احمد نوری اور جناب فضل کریم صاحبان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بندہ کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ کی معروف تصنیف "شجرۃ الکون" کے اردو ترجمہ کے بارے میں اپنے اشتیاق وارادے سے آگاہ کیا۔ ان کا شوق اتنا وافر اور ارادہ اتنا ثابت تھا۔ جسے محسوس کرتے ہوئے بندہ نے اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر ان کے ذوق سلیم کے پیش نظر اس نازک کام کو عملی جامہ پہنانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن یہ نازک کام بازیچۂ اطفال اور اندیشہ ارتحال نہ تھا بلکہ یہ حقائق و دقائق اور لطائف واسرار کا بحرِ بے کنار تھا جس میں غوطہ زنی مندرجہ ذیل اشکال کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔

ا :۔ دقیق ومشکل عربی الفاظ کو مناسب اردو الفاظ کا جامہ پہنانا۔

ب :۔ اصطلاحات صوفیاء واذواقِ اولیا کا خیال رکھتے ہوئے عبارات کو موزونیت سے ہمکنار کرنا۔

ج :۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ جیسی قدآور شخصیت کے بلند پایہ اور معیاری کلام کی فصاحت وبلاغت کو اردو ترجمہ میں برقرار رکھنا۔

یہ وہ مشکل مراحل تھے جو بندہ کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اس آڑے وقت میں تائید ایزدی اور روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ اصحابہ نے یوں ڈھارس بندھائی

اے صدا تا گم نگردی ہوش دار
ایں جرس را کاروانِ دیگر است

لہٰذا یہ جرسِ کاروانِ دیگر صدائے دوست کا پیغام دینے کے لئے حاضر ہے۔ امید ہے کہ آپ اس سے اپنے قلوب کو زنجیرِ زلفِ محبوب میں اسیر و معقود پائیں گے اور بندہ کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ نیز بندہ جناب ولی محمد، تلمیذ الرحمٰن اور احمد سعید بیگ صاحبان کا اس کتاب کے ترجمہ کے مختلف مراحل میں تعاون کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔

تعارف

کتاب و مصنف

آپ کا نام و نسب یوں ہے محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ عربی۔ طائی حاتمی محی الدین ابو عبد اللہ اندلسی المعروف ابن عربی المشہور شیخ اکبر قدس اللہ سرہ۔

آپ ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ بمطابق ۲۸ جون ۱۱۶۵ء کو مرسیہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ ۵۶۸ھ کو آپ اشبیلیہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے مشہور زمانہ اساتذہ وعلماء سے تحصیل علم ظاہری و باطنی فرمایا۔ ۵۹۸ھ میں آپ بلادِ مشرق کیطرف تشریف لائے۔ کچھ دیر مصر میں رہ کر مکہ معظمہ۔ بیت المقدس۔ بغداد شریف اور حلب کی سیاحت فرمائی اور آخر کار آپ دمشق میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ نے ۶۳۸ھ میں وفات پائی اور جبلِ قاسیون میں مدفون ہوئے۔ آپ نے حضرت غوثِ اعظم قدس اللہ سرہ کے خلیفہ سے اکتساب فیض فرمایا۔

(مرآۃ زمان۔ سبط ابن جوزی)

آپ نے بے شمار کتب تصنیف فرمائیں جن کی تعداد میں اختلاف ہے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی کتب کی تعداد پانچ سو سے زائد بتائی ہے۔

نفحات الانس صد ۶۳۴

الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۰۰ کتب کا ذکر کیا ہے۔ (الیواقیت صد ۱۰)

البرہان الازہر میں ۲۸۴ کتب کا ذکر ہے جبکہ ھدیۃ العارفین میں آپ کی کتب کی تفصیل درج ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا ذکر "ذیل کشف الظنون" "ہدیۃ العارفین" اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں صریحاً درج ہے اور یہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت اہم تصانیف میں سے ایک ہے۔

یہ امر تو مسلّمہ ہے۔ آپ کی تصانیف عالیہ میں جو شہرتِ دوام فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کو نصیب ہے کسی دوسری کے حصہ میں نہیں آئی۔ لیکن کتاب شجرۃ الکون اپنی نوعیت کی اہم اور مشہور کتاب ہے جو مصر و بولاق میں طبع ہوئی۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے علم و حقائق سے اہلِ ذوق کو سرشار اور اہلِ علم کو روشناس کرائے اور ہمیں شناسائے علومِ معرفت اور شناورِ بحرِ حقیقت بنا کر توحیدِ حقیقی کی لذت سے آشنا کرے۔ آمین ثم آمین

شیخ محی الدین محمد بن علی ابن العربی قدس سرہ العزیز

برگزیدہ بہ نفحاتِ قدسیہ ممتاز با نفاس روحانیہ واقف اسرار ولائت عارف محقق۔ سردار مقربین۔ صاحب فتح، موفق دکشف مشرق۔ ذوبصائر خارقہ و سرائر صادقہ۔ حامل معارف باہرہ وحقائق زاہرہ امام محی الدین محمد بن علی العربی معروف بہ شیخ اکبر قدس سرہ العزیز اپنے زمانہ کے اکابر کاملین میں سے تھے۔ آپ کا نام محمد لقب محی الدین اور کنیت ابن العربی تھی۔ الف لام تعریف کے ساتھ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ کتاب نسب الخرقہ میں میں نے اسی طرح آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ جس قدر رموز تصوّف آپ نے بیان فرمائے کسی نے اسقدر بیان نہیں فرمائے۔ آپ قائلینِ وحدتِ وجود کے امام تھے۔ آپ سے کرامات وخرق وعادات لاتعد ولاتحصیٰ صادر ہوئے ہیں۔ شیخ الاسلام صاحبِ قاموس قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ مجھے آج تک معلوم نہیں ہوا کہ کوئی شخص علمِ شریعت وحقیقت میں امام محی الدین ابن العربی شیخ اکبر کے مبلغ علم کو پہنچا ہو کیونکہ وہ ایک دریائے ناپیداکنار تھے۔ اوران کی تصانیف بحرِ زخار ہیں کسی نے ایسے رموز ومفید مطالب بیان نہیں کئے۔ اوران کی کتابوں کا مطالعہ کرنا حق تعالےٰ کی قربت حاصل کرنا ہے۔

آپ کے والد ماجد کا نام علی بن محمد العربی ہے آپ حضرت سیدنا علی بن

حاتم طائی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ۵۶۰ھ میں دوشنبہ کی شب ستر ہویں رمضان المبارک کو آپ بمقام مرسیہ ملک اندلس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا طریقہ مالکی تھا اور آپ کا کلام اس قدر عجیب و لطیف ہوتا تھا کہ علمائے ظاہر اس کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس لئے اکثر نے آپ پر (نعوذ باللہ) کفر کے فتوے لگائے۔

علامہ قطب الدین شیرازی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر شریعت و حقیقت دونوں میں کامل اور بے نظیر فرد تھے۔ جو لوگ ان کے کلام پر طعن کرتے ہیں وہ کیا کریں۔ اس کو وہ سمجھ نہیں سکتے۔ اور جو کوئی ان کو برا کہتے ہیں تو ان کو ایسا جانو جیسے لوگ ہیں جو سبھوں کو برا کہتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ کہ امام محی الدین ابن العربی بہت بڑے جلیل القدر ولی اور اپنے زمانے کے قطب الاقطاب تھے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر عارفوں کے مربّی اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے والے تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ اکبر کے منکروں کے جواب میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام تنبیہہ الغبی فی تبرئتہ ابن العربیؓ ہے۔

امام عبداللہ ابن سعد یافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر کو ولایتِ عظمیٰ حاصل تھی۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محی الدین ابن العربیؓ ایتہ من آیات اللہ تھے۔ اور اس زمانہ میں علم و فضل کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت شیخ کمال الدین کاشیؒ فرماتے ہیں کہ امام محی الدین ابن العربی کامل محقق و صاحب کرامات تھے۔ شیخ قطب الدین حموی قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو امام محی الدین ابن العربی کے منکر مت ہونا اور انہیں برا مت کہنا کیونکہ اولیاء اللہ کا لحم مسموم ہوتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والے اکثر نصرانی مرے ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض نے شیخ کی عبارت میں جھوٹی عبارت بھی داخل کر دی

ہے۔ تاکہ لوگ حضرت کو ظاہر شریعت کا مخالف سمجھنے لگیں اور ان کی اپنے حسد کی آگ بجھے۔ ایک شخص مسمی جمال الدین ابن الخیاط یمن کا رہنے والا تھا۔ اس نے چند مسائل لکھ کر بلاد اسلام میں بھیجے اور کہا محی الدین ابن العربی کے عقائد ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ چونکہ وہ عقائد لغو تھے اس لئے سب نے بُرا کہا۔

علامہ فیروز آبادی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر ان لغو سے پاک ہیں۔ میرے لئے ان میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر یہ کہوں کہ ان پر مجھے اعتقاد ہے۔ ان جاہلوں سے درگزر کرو جو جہل سے انہیں دشمن سمجھتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کی قسم جس نے انہیں حجت دین اور برہان بنایا ہے کہ میں نے ان کی مدح و ثنا کرنے سے انکے مرتبہ کو بڑھایا نہیں ہے۔ بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس مدح سے ان کی منقصت نہ ہوئی ہو۔

شیخ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر کا مکان شام میں تھا اور شیخ نے تمام علوم شام ہی میں حاصل کئے۔ شام وہ ملک ہے جس کے لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ لاتسبوا اھل الشام فان فیھم الابدال حضرت شیخ اکبرؒ کو کسی نے برا اگر کہا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے کہ بڑے لوگوں کے برا کہنے والے بھی ہوا کرتے ہیں۔ انبیاء کو برا ہی نہیں کہا بلکہ لوگوں نے قتل کیا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال سب پر روشن ہے۔ انہیں برا کہنے والے ابھی تک موجود ہیں۔ اولیاء اللہ کو ان کے زمانہ میں لوگوں نے برا ہی نہیں کہا بلکہ طرح طرح کی ایذائیں دی ہیں۔ حضرت سمنون محبؒ کو لوگوں نے ایک عورت سے بدنام کیا۔ حضرت سہل ابن عبداللہ تستریؒ کو لوگوں نے شہر بصرہ سے نکال دیا۔ حضرت ابو سعید خرازہ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ حضرت جنید بغدادی کا بھی یہی حال ہوا۔ حضرت محمد بن الفضل بلخیؒ کو لوگوں نے بدعتی کہا اور شہر سے نکال دیا۔ حضرت ابو عثمان مغربی کو لوگوں نے مکہ سے نکال دیا۔ حالانکہ وہ بہت بڑے مجاہد علامہ اور صاحب جمال تھے۔ حضرت ابوبکر شبلی پر کفر کے فتوے لگائے گئے

اور حضرت امام ابو بکر نابلسی کو باوجود فضل و کمال و استقامت فی الدین جو ملک مغرب سے مصر تک مشہور تھے زندیق کہہ کر بدنام کیا اور بادشاہوں سے کہہ کر الٹا لٹکوا کر کھال کھنچوائی۔ اسی طرح حضرت ابوالحسن شاذلی کو لوگوں نے زندیق کہہ کر ملک مغرب سے نکال دیا۔

شیخ بدرالدین ابن جماعہ سے شیخ ابن العربی کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا تم کو کیا ہوا ہے جو ایسے شخص کے بارے میں مذبذب ہو جس کے فضل و کمال اور جلالت قدر پر تمام عالم نے اتفاق کیا ہے۔

شیخ فخرالدین فرماتے ہیں یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عزالدین عبدالسلام نے آنکو زندیق کہا ہے۔ محض جھوٹ اور افترا ہے کیونکہ صلاح الدین قلانسی صاحب فوائد مشائخ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ شیخ عزالدین کی مجلس درس میں شریک تھے اور ردّت کا بیان ہو رہا تھا۔ قاری نے زندیق کے لفظ کو پڑھا۔ ایک نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے دوسرے نے کہا عجمی ہے تب ایک عالم نے کہا یہ فارسی الاصل ہے اور معرّب ہے۔ اس کا اصل زن دین تھا۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کفر چھپاتا ہو اور ایمان ظاہر کرتا ہو۔ تب ایک طالب علم نے فرمایا اس پر ایک شخص نے عزالدین بن عبدالسلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا جیسے محی الدین ابن العربی ہیں۔ شیخ چپ رہے اور کچھ نہ بولے۔ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ حضرت اس دن روزہ سے تھے جب میں نے شام کو دسترخوان بچھایا تو دریافت کیا کہ حضرت آج کل قطب کون ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میں اس زمانے میں سوائے ابن العربیؒ کے کسی دوسرے کو قطب نہیں دیکھتا ہوں۔ میں سر فرو کر کے تھوڑی دیر حیرت کرتا رہا بعدہٗ میں نے کہا کہ اس وقت آپ نے سکوت ظاہر کر کے رضامندی کیوں ظاہر فرمائی تھی۔ فرمایا وہ عالموں کی مجلس تھی۔ وہاں سوائے سکوت کے مجھ کو کوئی چارہ نہ تھا۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام

شیخ الاسلام مصر جب حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی کی صحبت میں پہنچے اور اس گروہ کے احوال سے واقف ہوئے تب شیخ اکبر کو ولائت و عرفان و قطبیت کے ساتھ یاد کرنے لگے۔
احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ جس کسی کو اس علم (تصوف) سے کچھ بہرہ نہیں اُس کے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ کتاب و سنت سے اسے مدلل نہ پائیں تو عمل موقوف رکھیں مگر اِس کی حقیقت سے انکار نہ کریں۔ لوگوں نے حضرت شیخ اکبر کے کلام کو سمجھا نہیں اور اس سے انکار کیا۔ حالانکہ یہ نہائت نامناسب تھا۔ اپنی چھوٹی سی عقل کو تمام علوم پر حاوی سمجھنا کمال نادانی ہے۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ایک تو خود انسان کو کم علم عطا ہوا ہے۔ اس پر ہر شخص کی استعداد اور نصیب ہے۔ کسی کو اگر علم کا زیادہ حصہ نہیں ملا ہے تو اسے یہ لازم نہیں کہ اس شخص کے علم کا انکار کرے جسے خدائے عزوجل نے اس سے زیادہ حصہ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص صفت علم سے متصف ہوتا ہے تو اس کے مخالفین بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسرار و علوم جنہیں حضرت شیخ اکبرؒ نے ظاہر فرمایا۔ اسی قبیل کے ہیں جن کے بارے میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ نے دو قسم کے علوم عطا فرمائے ایک کو میں نے ظاہر کیا ہے اور اگر دوسرے کو ظاہر کروں تو تقطع ہذا البلعوم یہ حلق کاٹ دیا جائے۔
حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت زین العابدین بن الحسینؓ سے ان دو شعروں کو اسی ضمن میں نقل کیا ہے۔ ے

یارب بوجوھر علم الوح بہ　　　لقل لی انت لعبد الوثنا

اے میرے خدا اگر میں جوہر علم کو ظاہر کر دوں تو لوگ مجھے بت پرست کہیں گے

ولو یحل رجال المسلمین دمی　　　یرون اقبح ما یاتونہ حسنا

اور مسلمان میری خونریزی کو جائز رکھیں گے اور اپنے برے افعال کو اچھا سمجھیں گے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس سے علم لدنی مراد ہے جسے ہر کوئی نہیں جانتا ۔ اگر منکرین کو انکار ہے تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصہ پر غور کریں ۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابل میں اس کا دشمن بھی ظاہر ہوتا ہے اور اشراف اور اہل علم ہمیشہ بلا میں مبتلا رہتے ہیں ۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ پہلے عرب کے ایک بادشاہ کے منشی تھے اس کے بعد زہد و عبادت و سیاحت اختیار کی اور مصر و شام و حجاز و روم کا سفر کیا اور جس جس شہر میں پہنچے وہاں کوئی نہ کوئی کتاب تالیف فرمائی ۔ آپکو تصوف میں بواسطہ شیخ ابو محمد یونس قصار ہاشمی حضرت شیخ الجن والانس سیدنا میراں محی الدین عبد القادر جیلانیؓ سے خرقہ ملا ہے اور حضرت خضر سے بھی ایک ہی واسطہ ہے ۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس خرقہ کو شہر موصل کے باہر سنہ ۶۰۱ھ میں ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن جامع سے پہنا ہے اور ابن جامع نے حضرت خضر سے خرقہ پہنا ہے اور جس مقام پر جس طرح ابن جامع کو حضرت خضر نے پہنایا ہے اسی مقام پر اسی طرح بے تغیر زیادت و نقصان کے ابن جامع نے مجھے پہنایا ہے ۔ حضرت خضر سے ایک دوسری نسبت بے واسطہ بھی حضرت شیخ اکبرؓ کو حاصل ہے ۔ انہوں نے خود اس کا ذکر فرمایا ہے ۔

آپ بہت بڑے صاحب تصانیف تھے لیکن افسوس اس زمانہ میں بہت کم کتابوں کا پتہ چلتا ہے ۔ حضرت شیخ مجد الدین فیروز آبادی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود حضرت شیخ اکبرؓ کے ہاتھ کا اجازت نامہ دیکھا ہے ۔ یہ شاہ حلب کے واسطے لکھا گیا تھا ۔ اس کے آخر میں یہ بھی تھا کہ اپنی کل تصنیفات کی روائت کی اجازت میں نے تمہیں دی ۔ اور وہ کتابیں فلاں اور فلاں ہیں ۔ جب میں نے گنا تو اجازت ناموں میں چار سو کتابیں تھیں ۔ اس میں آپ کی تفسیریں بھی تھیں ۔ ایک نصف قرآن کی تفسیر پچانوے جلدوں میں تھی اور آیہ وعلمناہ من لدنا علما تک ختم کر دیا تھا اور دوسری پوری تفسیر آٹھ جلدوں میں تھی اس میں محققانہ طرز اختیار کیا تھا ۔ اور اسی

فہرست میں ریاض الفردوسیہ فی الاحادیث القدسیہ بھی شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ایک تفسیر اہلِ تصوف کے طرز پر بھی تحریر فرمائی تھی۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ بغداد کے ایک بڑے شیخ نے آپ کے مناقب لکھے ہیں۔ اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت کی تصانیف پانچ سو سے زیادہ ہیں۔ خود حضرت شیخ نے بھی اپنے بعض دوستوں کے اصرار سے اپنی تصانیف کی فہرست ایک رسالہ کی شکل میں مرتب کی ہے اس میں ڈھائی سو سے زیادہ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ جن میں اکثر تصوف میں ہے۔ بعض کی وجہ تصنیف و تالیف یہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھ پر حق سبحانہٗ کی طرف سے ایک امر وارد ہوتا تھا اور وہ مجھے جلائے ڈالتا تھا اس لیئے اس امر کو بیان کرنے میں مشغول ہو جایا کرتا تھا۔ بعض کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ خواب میں یا مکاشفہ میں حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کے لکھنے کے لئے حکم ہوتا تھا اس لئے لکھنا پڑا۔ اس زمانہ میں جسقدر آپ کی تصانیف موجود ہیں ان میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم سب سے زیادہ بزرگ کتابیں ہیں۔ شیخ سراج الدین بلقینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن العربیؒ نے اوائل عمر میں معارف و حقائق کے دریا میں غوطہ مارا ہے اور آخیر میں فصوص فتوحات اور تنزلات موصلیہ کے ساحل پر نکلے ہیں یہ تینوں کتابیں آپ کی امہات کتابیں ہیں۔ یہ سب کتابیں لوگوں نے خود شیخ سے پڑھی ہیں اور سند لی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فصوص الحکم آپ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھی ہے۔ چنانچہ ابتدائے کتاب میں خود فرماتے ہیں کہ آخر عشرہ محرم ۶۲۷ھ میں بمقام دمشق میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے اس کو لو اور تمام لوگوں پر ظاہر کردو تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ میں نے عرض کیا سمعاً و طاعتہً بسر و چشم۔ پس اس کتاب کو خالصتہً لوجہ اللہ لکھا۔ جس قدر کہ حد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اس پر میں نے نہ زیادتی کی اور نہ کمی اور خدائے بزرگ و برتر سے شیطان کے تسلط سے پناہ مانگی۔

حافظ عبداللہ ذہبی حضرت شیخ اکبرؒ کے نہائت مخالف تھے۔ ایک بار لوگوں نے ان سے پوچھا کہ امام محی الدین ابن العربی نے فصوص الحکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے لکھا ہے؟ تو انہوں نے باوجود سخت مخالفت کے جواب دیا کہ ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔

شیخ مجدالدین فیروز آبادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبرؒ کی تصنیفات کا خاصہ یہ ہے کہ جو کوئی ان کا مشغلہ رکھتا ہے۔ اسے علوم وفنون کے دقیق مسئلے پانی کی طرح آسان ہوجاتے ہیں یہ کہنا کہ ان کا پڑھنا ناجائز ہے درست نہیں کیونکہ انکار کرنے والا اپنی فہم ناقص سے قرآن وسنت کے مطالب کا انکار کرتا ہے۔ ایک بار لوگوں نے ان ہی شیخ مجدالدین سے پوچھا کہ فصوص وفتوحات وغیرہ جو کتابیں حضرت شیخ اکبرؒ کی طرف منسوب ہیں کیا انکا پڑھنا پڑھانا درست ہے اور کیا یہ شیخ سے بھی پڑھی یا سُنی گئی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یہ کتابیں شیخ سے پڑھی اور سُنی بھی گئی ہیں اور حافظ بزدنی وغیرہ نے خود شیخ اکبرؒ سے پڑھا ہے۔ اور میں نے خود قونیہ میں فتوحات پر شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اجازت دیکھی ہے۔ شیخ اکبر کی کتابوں کا مطالعہ کرنا اللہ تعالےٰ کے قرب حاصل کرنا ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ راہ راست سے منحرف ہیں کیونکہ شیخ اکبرؒ اپنے زمانے میں ولایت عظمٰی اور صدیقیت کبریٰ پر فائز تھے۔ ان کے مخالف پر اللہ کی ناخوشی کی پہلی علامت یہ ہے کہ اسے اتنے بڑے فوائد سے محروم رکھا۔ لوگوں کا یہ افترا ہے کہ شیخ کا کلام خلاف شریعت ہے اور انکا تبحر اور تبحر علمی اس کا متقاضی نہیں ہوسکتا۔ شیخ ابن العربی کبھی اس رسول کی مخالفت نہیں کرسکتے جنہوں نے اپنی شریعتِ غرّا کا آپکو امین ورازدار بنایا ہے۔ غرضیکہ اس زمانہ میں انکار کیا جاسکتا تھا۔ مگر پھر ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ لوگ عود ولوبان سلگا کر اور نہائت مقدس جگہ بیٹھ کر بہت ادب کے ساتھ فصوص الحکم کا درس دیتے تھے اور بکثرت علمائے اس کی شرحیں لکھی ہیں جن میں ایک شیخ بدرالدین ابن

جماعۃ بھی تھے۔

شیخ مخزومی نے بھی ایک کتاب میں شیخ اکبر کے کلام پر اسرار کو ظاہر کیا ہے اور اسکا نام کشف الغطاء رکھا ہے۔ عبدالغفور اللاری نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ جو کلمات کہ مشائخ کی طرف منسوب ہوں اور بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہوں انہیں دوسرے امور پر محمول سمجھنا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں اوّل تو ان کی طرف ایسے کلمات کی نسبت ہمیں تسلیم ہی نہیں۔ دوم یہ کہ اگر نسبت کی صحت ہو جائے تو شریعت میں ان کے کلام کی تاویل پیدا کرنی چاہیئے۔ اگر ایسے تاویل مل سکے تو فبہا ورنہ ارباب علم باطن و اصحاب معرفت پر جو عارفین باللہ ہوتے ہیں اس کی تاویل چھوڑ دینی چاہیئے۔ سوم یہ کہ ممکن ہے کہ وہ کلام جس پر اعتراض ہو حالتِ سکر و غیبت کا کلام ہو جس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ پس باوجود ان احتمالات اور دفع بدگمانی کی اشکال کے اس طائفہ سے سُو ظن پیدا کرنا عدم توفیق کی علامت ہے۔ امام یافعی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ سے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہما سے ملاقات ہوئی تھی لیکن باہم کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ آپ سے لوگوں نے شیخ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سر سے پیر تک شیخ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مملو ہیں شیخ سے جب آپ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ایک بحر حقائق ہیں۔

فتوحات مکیہ میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ ایمان لایا میں خدا پر اس کے رسول پر اور ان سب پر جو وہ رسول لائے بہ طریق اجمال و بطریق تفصیل اور جو مجھ تک پہنچا اور جو مجھ تک نہیں پہنچا یا میرے نزدیک ثابت نہیں ہوا پس جو کچھ رسول ﷺ واقعی لائے اس سب کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ ایمان و اعتقاد بطریق تقلید کے میں نے اپنے والدین سے حاصل کیا۔ اور اسی تقلید کے تقاضے سے میں نے اس پر عمل کیا۔ اور بمقتضائے ایمان تقلیدی اس عمل کا یہ اثر ہوا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ میرا یہ ایمان کس مقام کا تھا اور کس

جیز پر میں ایمان لایا تھا میرے بصر و بصیرت و خیال سے حجاب اٹھ گیا۔ اور جو کچھ کہ مناسب حال تھا مجھ پر واضح و ظاہر ہو گیا پس چشم بصر سے میں نے وہی دیکھا جو بصر سے ادراک کیا جاتا ہے اور چشم بصیرت سے بھی وہی دیکھا جو صرف چشم بصیرت سے ادراک ہوا کرتا ہے اور چشم خیال سے بھی میں نے وہی دیکھا جو صرف چشم خیال سے دیکھا جا سکتا ہے پس حقیقت حال مجھ پر منکشف ہو گئی اور حکم متخیل جو میں نے تقلید سے حاصل کیا تھا میرے کشف میں موجود ہو گیا۔ اور اس ذات کو میں نے پہچانا جس کی میں پیروی کرتا تھا کہ وہ رسول مبعوث ہیں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدائے عزوجل نے مجھے تمام مومنوں کے حال پر اطلاع بخشی اور اگلے پچھلے خاص و عام لوگوں میں سے قیامت تک کوئی ایسا نہ رہا جس کے حال پر مجھے اطلاع نہ بخشی گئی ہو۔ جماعتوں کے مراتب میں نے دیکھے اور ان کا اندازہ معلوم کیا اور جس جس شئے پر مجملاً ایمان لایا تھا اس سب کو میں نے مشاہدہ کیا۔ اس مشاہدہ اور معائنہ نے میرے ایمان کو متزلزل نہیں کیا اور میں اپنے علم اور معائنہ اور شہود سے نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے جو کچھ کہتا اور کرتا تھا ہمیشہ وہی کہتا اور کرتا رہا۔ پس میری جگہ ایمان اور عیان کے مابین قائم ہوئے اور پیروان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ ایک عزیز الوجود مقام ہے۔ یہاں بڑے بڑے لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ کیونکہ جس شئے پر انہیں ایمان ہوتا ہے جب اس کا معائنہ و مشاہدہ کرتے ہیں تو مشاہدہ و معائنہ کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ کہ ایمان کے مطابق اور ایمان و مشاہدہ دونوں کے جامع نہیں ہوتے اس لئے کمال کو نہیں پہنچتے۔ اور اگر یہ شخص اہل کشف سے ہے تو اس کا کشف بھی کامل نہیں ہے۔ اس نے اپنے نفس کو نہیں پہچانا اور اپنے مشاہدہ پر عمل کیا۔ لیکن کامل وہ شخص ہے جو ذوقِ مشاہدہ و عیان کے ساتھ اپنے ایمان پر عمل کرے۔ اور اس کے ایمان پر مشاہدہ و عیان کا بالکل اثر نہ پڑے۔ میں نے کسی شخص کو اس مرتبہ کا نہیں پایا۔ گو میں جانتا ہوں کہ اس عالم میں خدائے عزوجل کے بڑے بڑے بندے ہیں

لیکن میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی ممکن ہے کہ میں نے دیکھا ہو۔ مگر پہچانا نہ ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے کبھی اپنے نفس کو حق کی طرف اس لئے متوجہ نہیں کیا کہ دنیا میں کسی شخص کی حادثات عالم میں سے کسی حادثہ کی مجھے آگاہی حاصل ہو بلکہ میرا نفس خدائے عزوجل کے ساتھ لگا رہا کہ جس کام میں اس کی مرضی ہو اس کے لئے مجھے کام میں لائے۔ اور جس کام میں اس سے دوری حاصل ہوتی ہے اس میں مجھے مشغول نہ فرمائے۔ اس کی مجھے کبھی فکر نہیں ہوئی کہ خدائے عزوجل مجھے ایسے مقام کے ساتھ مخصوص فرمائے جو پیروان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کو عطا نہ فرمایا ہو۔ بلکہ اگر جمیع عالم کو مجھ سا بنا دے تو بھی مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا اس لئے کہ میں بندہ محض ہوں اور بندگان خدا میں سے کسی پر تفوق نہیں چاہتا ہوں بلکہ خدائے بزرگ و برتر نے میرے نفس میں ایسی کشادگی رکھی ہے کہ میں آرزو کرتا ہوں کہ تمام عالم مراتب اعلیٰ کے ایک ہی قدم پر ہو جائے۔ لیکن اس پاک و بے نیاز نے مجھے ایک ایسے امر کا خاتم بنایا ہے جو میرے دل میں کبھی نہیں آیا تھا۔ بس عجز و شکر کے اقرار کے ساتھ اور توفیق شکر کو حق جان کر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ بات میں نے کسی فخر کے خیال سے نہیں بیان کی ہے۔ بلکہ دو امور کی وجہ سے بیان کی ہے۔ ایک تو یہ کہ خدائے عزوجل خود فرماتا ہے واما بنعمۃ ربک فحدث کونسی نعمت بھلا اس نعمت سے بڑھ کر ہو سکتی ہے اور دوسری یہ کہ کوئی صاحب ہمت تو انسے سنے اور اس کے دل میں ہمت عظیم پیدا ہو اور اپنے نفس سے جیسا میں نے کام لیا ہے وہ بھی کام لے اور جس مرتبہ پر میں پہنچا ہوں وہ بھی پہنچ جائے۔ اگر وہ بھی اس مرتبہ پر پہنچ جائیگا تو مجھے کوئی نقصان نہ ہوگا اس لئے کہ امور معنوی میں تنگی نہیں ہوا کرتی بلکہ تنگی صرف امور محسوسہ میں ہوا کرتی ہے۔

شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب فکوک میں فرماتے ہیں کہ

ہمارے شیخ کو ایک نظر مخصوص حاصل تھی کہ اگر چاہتے کہ کسی کے احوال پر اطلاع حاصل ہو تو ایک نظر اسکی طرف کرتے اور اس کی اخروی و دنیوی احوال سے آگاہی پاکر خبر کرتے ۔ آپ کا ایک شعر ہے۔

یامن یرانی ولم اراہ کم اذا اراہ ولا یرانی

یعنی اے وہ شخص جو کہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھتا ہوں بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں اسے دیکھتا رہا ہوں حالانکہ وہ مجھے نہیں دیکھتا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ لا یرانی کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا یہ حق نہیں دیکھتا۔ آپ نے فی البدیہہ جواب میں فرمایا۔

یامن یرانی مجرماً ولا اراہ مفسداً کم اذا اراہ منعماً ولا یرانی لائذاً

یعنی اے وہ شخص کہ مجھے گنہگار دیکھتا ہے۔ اور میں اسے مفسد نہیں دیکھتا۔ کتنی مرتبہ میں اسے منعم کی حیثیت سے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے پناہ گزیدہ کی حیثیت سے نہیں دیکھتا۔

فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۷ میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکاشفہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عالم واقعہ میں حضرت ادریس علیہ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور ابتدائے عالم کے متعلق ان سے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا مجھ کو مدت عالم کی ابتدا کا حال نہیں معلوم اور نہ یہ جانتا ہوں کہ مخلوقات کس حد تک پیدا ہوتی رہیں گی۔ کیونکہ ہر نفس کے ساتھ ایک نئی خلقت پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ کی صفت خلق ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور دنیا و آخرت ہمیشہ رہے گی۔ میں نے کہا یا نبی اللہ قیامت کی علامت مجھ سے فرمائیے۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے جدِ آدم قریب کا وجود اس کی بڑی علامت ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت دنیا کے بعد بھی کوئی دار اسکے سوا ہے؟ فرمایا کہ ہاں ایک ہی دار دار موجود ہے اور دنیا تمہیں لوگوں کے سبب سے دنیا ہوئی

فتوحات کے ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ عالم کی عمر کا کروڑوں برس سے بھی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اسی باب میں فرماتے ہیں کہ عالم طبیعی کی عمر کے اکہتر ہزار برس جب گزر چکے تب اللہ جل شانہٗ نے موالید ثلاثہ کو پیدا کیا۔ اور ان کے چوّن ہزار برس بعد اللہ جل شانہٗ نے اس دنیا کو پیدا کیا اور جب دنیا کو تریسٹھ ہزار برس گذر گئے تب اللہ جل شانہٗ جنت و دوزخ کو بنایا دنیا اور آخرت میں نوے ہزار برس کا تفاوت ہے اور اس کا نام آخرت اس لئے ہوا کہ وہ بعد آنے والی ہے۔ آخرت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کا احصار کیا جا سکے اور جب دنیا کی عمر کو ستر ہزار برس اور آخرت کی عمر کے آٹھ ہزار برس گذر چکے تب اللہ جل شانہٗ نے آدم کی مٹی کا خمیر کیا۔ تری و خشکی کے جانور پیدا کئے۔ زمین کے عفونات سے حشرات الارض کو پیدا کیا تاکہ ہوا عفونت سے پاک رہے واللہ اعلم۔

فتوحات کے باب (۳۹۰) میں فرماتے ہیں کہ مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ کسی نے خلق عالم کی ابتدائی حد جانی ہو اور یہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر تارے فلک اطلس میں ایسے ہیں جنہیں کواکب ثابت نہیں کہہ سکتے اور انسان کی عمر ان کی حرکت کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ بظاہر ثابت معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت نہائت بطی رفتار کے ساتھ سیر کی حالت میں ہیں۔ فلک اقصیٰ کا ہر ایک ستارہ ایک درجہ کو سو برس میں طے کرتا ہے اور جس درجہ سے اس کی سیر شروع ہوتی ہے وہاں پہنچنے میں جتنے سال لگتے ہیں اتنی مدت کا ان کواکب ثابتہ کا ایک دن ہوتا ہے اب حساب کر لو کہ اس فلک میں تین سو ساٹھ درجے ہیں اور ہر درجہ کو سو برس میں ایک ستارہ طے کرتا ہے۔

فتوحات مکیہ کے باب (۳۷) میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ عالم کبھی قطب

سے خالی نہیں ہوتا۔ جیسے کہ کبھی رسول سے خالی نہیں ہے اور اسی واسطے اللہ جل شانہٗ نے چار نبیوں کو زندہ رکھا ہے۔ تین ان میں سے صاحب شرع ہیں یعنی ادریس والیاس وعیسیٰ علی نبینا وعلیہم السلام اور ایک حامل علم لدنی ہیں یعنی حضرت خضر علیہ السلام اور اس کی توضیح یہ ہے کہ دین حنفی کے چار رکن ہیں۔ جیسے کہ گھر کے چار رکن ہوتے ہیں اور وہ رسل اور انبیاء اور اولیاء اور مومنین ہیں۔

فتوحات مکیہ کے باب (۳۸۳) میں فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ قطب سے تمام دائرہ وجود وکون وفساد کی حفاظت ہوتی ہے اور دو اماموں سے عالم غیب وشہادت کی حفاظت ہوتی ہے اور اوتاد سے حق تعالیٰ جنوب وشمال ومشرق ومغرب کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ابدالوں سے حق تعالیٰ ہفت اقلیم کی محافظت فرماتا ہے۔ قطب ان سب کا محافظ اور نگہبان افسر ہے اور اس عالم کون وفساد کے تمام امور کا اسی کی ذات پر دار ومدار ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ جل شانہٗ کے امہات صفات سات ہیں اسی طرح سات ابدال بھی ہیں۔ انھیں سے حفاظت جہات ہوتی ہے۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک ابدال کو مدد انبیاء کی روحوں سے پہنچتی ہے جو ایک ایک آسمان میں ہیں۔ میں ان ساتوں ابدالوں سے مکہ معظمہ حنابلہ کے پیچھے ملا ہوں۔ ان سب کو رکوع کی حالت میں پایا۔ بعد فراغت نماز میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ پھر میں نے ان سے باتیں کیں۔ میں نے کسی کو ان سے زیادہ خوش وخوش خلق اور خوش شغل نہیں پایا۔

فتوحات مکیہ کے باب ۳۷ میں فرماتے ہیں کہ بڑی وراثت ختم ولائت ہے اور ختم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ ہے اور دوسری ادنیٰ ہے اعلیٰ یہ ہے کہ ولائت

مطلق کا وہ خاتم ہو۔ ادنیٰ یہ ہے کہ ولائت مقیدہ محمدیہ کا خاتم ہو۔ پس مطلق ولائت کے خاتم حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اخیر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور ولائت مطلقہ کے آپ خاتم ہونگے اور ولایت مقیدہ کے خاتم ایک شخص ولائتِ مغرب کے ہونگے اور وہ خاندان اور ملک دونوں میں اشرف ہونگے وہ آج ہمارے زمانہ میں موجود ہیں اور ۵۹۵ھ میں ان سے ملا تھا اور میں نے ان میں ختم کی مہر بھی دیکھی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آنکھوں سے مخفی رکھا ہے۔ انہوں نے اس مہر کو مجھ پر کھول کر بتلایا۔ اور میں نے دیکھا کہ جو اسرار و علوم ربانی وہ بیان کرتے ہیں اس سے لوگ انکار کرتے ہیں۔

فتوحات کے باب (۳۶۳) میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی کیسی بے انصافی ہے کہ جن صفات الٰہی کو انبیاء کہیں ان پہ ایمان لائیں اور جب انھیں کو کوئی عالم و مقرب پیرو رسول کہے تو انکار کر دیں یہ نہیں جانتے کہ دریا ایک ہی ہے اسی سے دونوں چشمے بہتے ہیں۔ باب الوصایا میں آپ فرماتے ہیں کہ تم آئمہ مجتہدین پر طعن کرنے سے بچو اور یہ کبھی نہ کہو کہ وہ معارف و اسرار سے محجوب تھے جیسا کہ بعض جاہل و بے علم صوفی کہا کرتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ آئمہ مجتہدین کا قدم علوم غیب میں راسخ تھا اگرچہ وہ بغلبہ ظن حکم کرتے تھے لیکن ان کا علم یقینی تھا۔ ان میں اور اہل مکاشفہ میں صرف راستہ کا اختلاف ہے اور یہ لوگ تشریح کے جہت سے رسولوں کے مرتبہ میں ہیں۔

پھر باب ۳۶۹ میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ علمائے مجتہدین انبیا کی صفوں میں ہونگے۔ اُمت کی صفوں میں نہ ہونگے اور ہر رسول کی جانب میں ایک عالم اُمتِ محمدیہ میں سے ہوگا۔ اور یہ وہ علما ہونگے جنہیں احکام و حالات، مقامات و منازل میں صاحبِ سند ہونے کا درجہ حاصل ہوگا۔ ان کے آخر میں خاتم آئمہ مجتہدین حضرت امام مہدی علیہ السلام ہوں گے۔

فتوحات مکیہ باب (۵۰۸) میں شیخ اکبر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ عزوجل پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ مگر اس کے طریقے مختلف ہیں۔ کبھی وہ وحی کو خیال میں پاتے ہیں اور کبھی حس میں دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے دل میں پاتے ہیں اور لکھی ہوئی عبارت میں اور یہ اکثر اولیاء اللہ کو واقع ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابو عبداللہ قضیب البان موصلیؒ اور تقی ابن مخلد شاگرد امام احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو کتابت ہی کے ذریعہ سے ملک الالہام وحی پہنچاتا تھا۔ اور جب وہ خواب سے بیدار ہوتے تو ایک کاغذ پر لکھا ہوا پاتے تھے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ہر طرف سے برابر پڑھا جاتا ہے۔ اور جب ورق اُلٹتے ہیں تو کتاب بھی اُلٹ جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خود اس کتابت کو دیکھا ہے۔ وہ ایک فقیر پر مطاف میں اسی صفت پر اتری تھی اس میں دوزخ سے اس کی نجات درج تھی۔

آپ فرماتے ہیں کہ کبھی بندہ کو ایک خاص طریقہ پر الہام ہوتا ہے۔ اور وہ جہت ہر انسان میں حق تعالےٰ کی جانب سے ودیعت ہے کہ ملک الالہام کو بھی خبر نہیں ہوتی لیکن لوگ اس سے انکار کرنے میں عجلت سے کام لیتے ہیں چنانچہ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قصہ موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت خضر علیہ السلام کے الہامات کا انکار کیا تو اس سے وہ معذور تھے اس لئے کہ وہ نبی تھے اور نبی ہمیشہ بالمشافہ لینے کا عادی ہوتا ہے اور چونکہ وہ صاحب شریعت ہوتا ہے۔ اس لئے اسے فرشتہ کا واسطہ ضرور ہے تاکہ حقیقت وحی میں وہم کو بھی دخل نہ ہو۔

فتوحات مکیہ کے باب (۲۶۲) میں حضرت فرماتے ہیں فرشتہ نبی و ولی دونوں پر نزول فرماتا ہے لیکن دونوں کی کیفیت نزول میں فرق ہے یعنی انبیاء و مرسلین پر بالذات وہ نزول کرتا ہے اور اولیاء اللہ پر بہ اتباع نبی ان امور کو سمجھانے کیلئے جو

نبی لایا ہے۔ لیکن فہم و ادراک میں نہیں آتے۔ کبھی ملک الالہام ولی اللہ پر بشارت کیساتھ نزول کرتا ہے۔ مثلاً اِنَّ الَّذِینَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ یہ اکثر موت کے وقت واقع ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ملک الالہام نے غیر متناہی علوم لے کر نزول کیا ہے۔

فتوحات مکیہ کے باب (۹۳) میں آپ فرماتے ہیں کہ امّتِ محمّدیہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے افضل ہو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جن کا اس امت میں بھی شمار ہے۔ یعنی جب آپ نزول فرمائیں گے تو اسی شریعتِ محمدی کے مطابق احکام دیں گے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے سال ہا سال فاطمہ بنت ولیہ کی خدمت کی ہے۔ اس وقت ان کا سن بچانوے سال کا تھا لیکن چہرہ پہ رونق و تازگی ایسی تھی جیسی عالم شباب میں ہوتی ہے اور میں ان پر نظر ڈالتے شرماتا تھا۔ حق تعالےٰ کے ساتھ ان کا عجیب و غریب حال تھا۔ ہمارے ابنائے جنس میں سے جو لوگ ان کی خدمت میں آتے ان سب میں مجھ سے زیادہ خوش تھیں اور مجھے خدمت میں رہنے کے لئے اکثر فرمایا کرتی تھیں اور کہا کرتیں کہ میں فلاں (یعنی میرا) جیسا کسی کو نہیں دیکھتی۔ جب میں اُن کے سامنے جاتا تو ہمہ تن متوجہ ہو جاتیں اور فرمایا کرتیں کہ میں ان لوگوں پر تعجب کرتی ہوں جو حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ اللہ جل شانہٗ ان کا مشہود ہے اور چشم زدن کے لئے بھی ان سے غائب نہیں ہوتا۔

فتوحاتِ مکیہ کے باب (۷۳) میں آپ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ عزوجل میں ایک مرد یا ایک عورت صاحب مقامات ہوا کرتی ہے جس سے بہ کثرت کرامتیں سرزد ہوتی ہیں اور بندگان خدا کو نفع پہنچتا ہے۔ اُسے ہر شے پر قدرت ہوتی ہے۔ اور

وہ سب کا سردار ہوتا ہے اور ہمیشہ حق کے ساتھ رہتا ہے اور اسی کے حکم سے کام کرتا ہے۔ چنانچہ بغداد میں ہمارے شیخ سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مقام حاصل تھا۔ میں آپ سے نہیں ملا ہوں۔ لیکن ان سے ملا ہوں جو آپ کے بعد ہوئے۔ لیکن ہمارے شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ ان سے بزرگ تر تھا۔

فتوحات کے باب (۳۰) میں بھی فرماتے ہیں کہ مجھے بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قطب وقت تھے اور تصرفات کی انہیں اجازت تھی۔ اس لئے بے حساب کرامتیں ان سے ظاہر ہوئیں۔

فتوحات مکیہ باب (۴۰) میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر بے خودی طاری ہوئی ایک مدت اسی بے خودی میں گذر گئی لیکن نماز باجماعت پڑھتا رہا اور امامت کرتا رہا۔ اور نماز کے جمیع اعمال جیسا کہ چاہیئے بجالاتا رہا۔ لیکن یہ تمام حالت بے شعوری میں ہوتا رہا۔ مجھے نہ جماعت کا شعور تھا کہ اعمال کا اور ایسی بے خودی تھی کہ عالم محسوس میں سے کسی شے کا شعور باقی نہیں رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کس طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے شیخ شبلی کی اوقات کو محفوظ رکھا تھا اسی طرح مجھے بھی محفوظ رکھا شیخ شبلی پر جب غلبہ سکر ہوا تو ان پر ایک بے خودی سی رہا کرتی تھی۔ صرف نماز کے وقت ہوش آتا تھا۔ اس کے بعد پھر حالت سکر میں بے خود ہو جایا کرتے تھے۔

فتوحات میں ہے کہ ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد میں طواف کر رہا تھا۔ ایک شخص کو دیکھا وہ بھی طواف میں مشغول ہے لیکن نہ وہ کسی کے آنے جانے سے رکتا ہے اور نہ کوئی اس کی وجہ سے رکتا ہے۔ دو آدمیوں میں وہ اس طرح نکل جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کو جدا ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں نے یہ حال دیکھ کر سمجھا کہ یہ روح ہے جسد نہیں ہے۔ اس کے راہ پر کھڑا ہو گیا اور جب وہ سامنے آیا

تو میں نے سلام کیا۔ اس نے جواب دیا۔ میں اس کے ہمراہ ہو لیا اور باتیں کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ حضرت احمد سبتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت ہفتہ کے سات دنوں میں سے آپ نے صرف سنیچر کو کیوں کسب نفس کے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا اس جہت سے کہ خدائے تعالیٰ نے یک شنبہ کو تخلیق عالم شروع فرمائی اور جمعہ کو فارغ ہوا۔ یہ چھ دن وہ ہمارے کام میں مصروف تھا۔ میں بھی اس لئے اس کے کام میں مصروف رہا کرتا تھا اور اپنی حظ نفس کے لئے کوئی کام ان ایام میں نہیں کرتا تھا۔ جب شنبہ (سنیچر) کا دن آیا تو اُسے میں نے اپنے لئے مقرر کیا اور اس میں اپنے نفس کے لئے کسب کرتا تھا تاکہ ان چھ دنوں کے لئے قوت کا انتظام کروں۔ اس کے بعد پھر میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کے زمانہ میں قطب وقت کون تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں۔ اس کے بعد رخصت ہو گئے اور میں اپنی جگہ واپس آیا۔ یہاں میرے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا آج میں نے ایک پردیسی کو مکہ میں دیکھا جسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ طواف کی حالت میں آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ کون شخص تھا اور کہاں سے آیا۔ میں نے سارا قصہ اس سے بیان کیا۔

فتوحات میں ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالعباس جریری نے ۶۰۲ھ میں مجھ سے مصر میں یہ واقعہ بیان کیا کہ شیخ عبداللہ قربانی کے ساتھ میں بازار گیا تھا۔ شیخ نے اپنے چھوٹے بچے کے لئے ایک قصریہ (یعنی بچوں کے پیشاب کرنے کا شیشہ ایک ظرف) خریدی۔ اسی اثنا میں ہم سے صالحین کی ایک جماعت کی ملاقات ہوئی اور ہم سب ایک جگہ بیٹھ گئے کہ وہاں کچھ منگا کر کھائیں۔ رائے یہ ہوئی کہ روٹی سے کھانے کے لئے کچھ دودھ اور شکر منگائیں۔ قصریہ چونکہ نئی تھی اور اس میں کوئی گندگی ابھی تک نہیں پڑی تھی اس لئے اس میں دودھ منگایا۔ جب ہم کھا چکے اور لوگ سب سب اپنی اپنی راہ گئے اور میں ابو عبداللہ کے ساتھ جا رہا

تھا۔ قصریہ ان کے ہاتھ میں تھی۔ واللہ میں نے اور ابو عبداللہ دونوں نے اس قصریہ سے یہ آواز سنی کہ اولیائے خدائے عزّ وجل مجھ میں رکھ کر کچھ چیز کھا چکے ہیں اب میں بول و ناپاکی کی جگہ نہیں بننا چاہتی۔ خدائے تعالیٰ کی قسم اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ابو عبداللہ کے ہاتھ سے وہ قصریہ اچھل کر نیچے گر پڑی اور پاش پاش ہو گئی اس واقعہ سے ہماری حالت عجیب ہو گئی۔ شیخ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوالعباس سے کہا کہ قصریہ کی یہ نصیحت تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم جو خیال کر رہے ہو وہ مقصود نہیں ہے۔ بہت سے برتن ایسے ہیں جن میں تم سے بہتر لوگوں نے کھانا کھایا ہے اور پھر ان میں ناپاک اشیاء رکھی گئی ہیں بلکہ اس نصیحت کا مقصد یہ تنبیہہ ہے کہ جب تمہارے قلوب معرفت الٰہی کی جگہ بن چکے ہیں۔ تو انہیں پھر اغیار کی جگہ نہ بنانا چاہیئے۔ منہیات الٰہی کو اس میں جگہ نہ دینا چاہیئے۔ قصریہ کے ٹوٹ جانے سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ تعالےٰ کے سامنے اسی طرح شکستہ رہنا چاہیئے۔ شیخ ابوالعباس نے اقرار کیا کہ بے شک یہی ہے۔ جو کچھ کہ تم کہہ رہے ہو ہماری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

فتوحات مکیہ میں ایک مقام پر ہے کہ میری برادری میں ایک شخص یحییٰ بن یغان (نعمان؟) تلمسان کا بادشاہ تھا۔ اس شہر میں ایک شیخ تھے جن کا نام ابو عبداللہ تونسی تھا۔ اور خلق سے گوشہ گیر ہو کر شہر سے باہر ایک مقام پر مشغول بہ عبادت رہا کرتے تھے۔ ایک دن اس مقام سے خدم و حشم کے ساتھ یحییٰ کا گذر ہوا۔ اس سے لوگوں نے ابو عبداللہ تونسی کا حال بتایا گیا۔ یحییٰ گھوڑے کی باگ موڑ کر آپ کے سامنے آیا اور سلام کیا۔ اس کے جسم پر فاخرہ لباس تھا۔ شیخ سے پوچھنے لگا کہ حضرت اس لباس کے ساتھ نماز جائز ہے یا نہیں؟ شیخ ہنس دیئے۔ اس نے پوچھا کیوں ہنستے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیری کم عقلی پر۔ تیری مثال اس کتے کی سی ہے جس نے مردار کھا کر پیٹ بھرا ہے اور سر سے

لے کر پیر تک خون آلودہ ہے لیکن جب پیشاب کرتا ہے تو ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے کہ کہیں چھینٹا نہ پڑ جائے نیز اپیٹ حرام سے بھرا ہوا ہے اور جو مظالم بندوں پر کئے ہیں وہ گردن پر بکثرت ہیں اور تو یہ سوال کرتا ہے کہ ان کپڑوں سے نماز جائز ہے یا نہیں یحییٰ پر یہ سن کر رقت طاری ہوئی ۔ وہ گھوڑے سے اتر آیا اور سلطنت ترک کر کے شیخ کی ملازمت میں رہنے لگا ۔ تین دن بعد شیخ نے فرمایا اب مہمانی ہو چکی ۔ یہ رسہ ہے ہاتھ میں لو اور لکڑیاں سر پر رکھ کر لاؤ اور بازار میں بیچو ۔ یحییٰ نے حکم کی تعمیل کی لکڑیاں جنگل سے لاتا ، بازار میں بیچتا اور کھانے کے لئے کچھ رکھ کر باقی سب قیمت خیرات کر دیتا ۔ لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر روتے تھے ۔ آخر وقت تک وہ اسی حالت میں اپنے ہی شہر میں رہا ۔ اگر کوئی شخص شیخ سے دعا کی درخواست کرتا تو وہ فرماتے یحییٰ سے دعا کراؤ اس نے بادشاہی چھوڑ کر زہد اختیار کیا ہے ۔ شاید میں اگر اس میں مبتلا ہوتا تو یہ زہد کی حالت اختیار نہ کرتا ۔

فتوحات میں مجملاً اور رسالہ برزخیہ میں صراحتاً مذکور ہے کہ برزخ ایک عالم مستقل ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین ہے کما قال اللہ تعالیٰ من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ۔ برزخ ارواح و ملائکہ کا مستقر ہے اور ابتدائے مخلوقات سے انقراض ارض سماوات تک ارواح وہیں رہیں گی خالق مطلق نے وجود کو تین صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے ۔ دنیا برزخ و آخرت پس عالم موجودات کے بھی تین نوع ہیں ملک و ملکوت و جبروت اور انسان کی ایجاد ان کی مجموعی سے ہوتی ہے یعنی انسان جسم و نفس و روح کا مجموعہ ہے جسم کی ایجاد دنیا سے ہی جو عالم ملک کا مظہر ہے اور نفس کی ایجاد برزخ سے جو عالم ملکوت کا مظہر ہے اور روح کی ایجاد آخرت سے ہے جو عالم جبروت کی مظہر ہے ۔ آدمی جب تک اس کی حیات ہے اپنی استعداد کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے ۔ اس کے بعد بمقتضائے آیہ کریمہ کل نفس ذائقۃ الموت

بہ واسطہ مرگ عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال کرتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ چند مدت قبور میں توقف کر کے اور آلائش دنیا سے پاک صاف ہو کر عالم مثال میں چلے جاتے ہیں۔ اور بعض اخص الاولیاء و اکمل شہدا جن کے سپرد اس عالم کی خدمت کی جاتی ہے۔ اپنی قبور میں زندوں کی مانند تصرف کرتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء وَلکن لا تشعرون تمام اسباب جنت پروردگارِ عالم ان کی قبروں ہی میں عطا فرما دیتا ہے۔ القبور روضۃ من ریاض الجنۃ قبور میں بھی ترقیات ہوتی رہتی ہیں۔

فتوحات مکیہ میں سب مفصل موجود ہے عالم دنیا کبھی ویران بھی ہو جاتا ہے لیکن عالم مثال پر کوئی آفت نہیں آتی۔ قیامت کبریٰ تک یہی حال رہے گا۔ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ جسم کے واسطہ سے نفس و روح کو رنج و راحت پہنچتا ہے۔ لیکن بعد مرگ نفس و روح جسم کے تسلط سے آزاد ہو جاتے ہیں اور انسان عالم برزخ میں انتقال کرتا ہے۔ جہاں اعمال و کردار کے مطابق اسے اچھا یا برا ایک وجود مثالی عطا ہوتا ہے اور عذاب و ثواب و تعذیب و تنعیم نفس و روح کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جب ارادہ الٰہی یہ ہو گا کہ عالم برزخ سے بھی انتقال ارواح عمل میں آئے تو قیامت کبریٰ قائم ہو گی۔ اور احکام نفسیہ منعدم ہو جائیں گے اور آن واحد میں عالم جبروت یعنی آخرت میں سب پہنچ جائیں گے۔ اور حشر اجساد کے بعد ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے مطابق وہاں ہو گا۔ جہاں اس کا مستقر قرار پائے گا و فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر یہ تمام تفاوت اسمائے کلیہ و جزیہ الٰہیہ کی تجلیات کے واسطہ سے ہوں گے جو عالم ناسوت، ملکوت و جبروت پر متجلی ہوتی رہتی ہیں۔

فتوحات مکیہ کے باب (۱۶۱) میں صدیقیت اور نبوت کے درمیانی مقام کا ذکر کرتے وقت لکھتے ہیں کہ محرم ۵۹۰ھ میں اس مقام پر پہنچا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں

بلاد مغرب کے سفر میں تھا کہ مجھ پر حیرت غالب ہوئی اور بوجہ تنہائی کے وحشت معلوم ہونے لگی۔ اس مقام کا نام بھی مجھے معلوم نہ تھا باوجودیکہ مجھے وہ مقام حاصل تھا۔ غرضیکہ اس وحشت و حیرت کے ساتھ میں جہاں گھرا ہوا تھا وہاں سے چل کھڑا ہوا اور عصر کی نماز کے بعد ایک شخص کے مکان پر جس سے مجھے بہت موانست تھی پر اتر پڑا اور اسی عالم حیرت و وحشت میں اس سے کلام کرتا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کا سایہ ظاہر ہوا۔ میں اپنی جگہ پر اچھل پڑا اور یہ کہنے لگا کہ شاید اس شخص کے پاس کچھ فرحت حاصل ہو۔ اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ میں نے غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کی روح مبارک تھی جو جسمی صورت میں متمثل ہو کر میرے پاس آئی تھی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے میرے پاس اسے بھیجا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو بھی اسی مقام پر پاتا ہوں فرمایا کہ میں اسی مقام پر فائز تھا کہ دنیا سے عقبیٰ کی طرف انتقال ہوا۔ اب ہمیشہ اسی مقام پر متمکن ہوں۔ پھر فرمایا۔ اجنبی کو لامحالہ وحشت ہوتی ہے۔ اے برادر جب عنایت الٰہی تمہاری شامل حال ہوئی اور اس مقام پر پہنچے ہو تو خدائے عزوجل کی حمد کرو اور خضر علیہ السلام کی مشارکت سے راضی رہو۔ میں نے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن میں اس مقام کا نام نہیں جانتا۔ انہوں نے فرمایا اسے مقامِ قربت کہتے ہیں۔

فصوص الحکم آپ کی بڑی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے حضرت سرور کائنات علیہ الف الف تحیۃ والصلوٰۃ کے اشارہ سے لکھی ہے۔ عالم واقعہ میں آپ نے یہ کتاب مجھے عطا فرمائی تاکہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اس کتاب میں چھبیس فصلیں ہیں۔ پہلی فص حکمت الٰہیہ فی کلمۃ آدمیہ ہے اور آخری فص کا نام فص حکمت فردیہ فی کلمۃ محمدیہ ہے۔ اسی طرح درمیانی فصوص بعض پیغمبروں کے نام سے موسوم ہیں اور جو کلمہ حکمت ان کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس فص کا عنوان ہے۔ اس مقام پر صرف پہلی فص حکمت الٰہیہ سے کسی قدر اقتباس کر کے

نمونہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے۔

شیخ الامام العالم الراسخ الفرد المحقق محی الملتہ والدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد العربی الطائی الحاتمی فرماتے ہیں کہ فص حکمت الٰہیہ سے ان علوم و معارف کا خلاصہ مراد ہے جو مرتبہ الوہیت سے متعلق ہیں۔ نیز ان علوم و معارف کے محل انتقاش یعنی انسان کامل کے قلب سے مراد لی جاتی ہے۔ کلمہ آدمیہ سے مراد روح کلی ہے۔ جب حق سبحانہ و تعالےٰ نے ان اسمائے حسنیٰ کی رو سے جن کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ چاہا کہ ان اسماء کے حقائق کو دیکھے اور اپنے بھید کا اظہار فرمائے تو تمام عالم کو مثل کالبد بے روح کے موجود فرمایا یعنی ایک ایسے آئینہ کے مانند جس میں صیقل نہ ہے لیکن صیقل کی قابلیت رکھتا ہو، پھر دائمی تجلّی کے فیض کو قبول کرنے کے لئے کالبد آدم کو بنایا اور اس کالبد میں نفخ روح فرمایا۔ اس نفخ سے حضرت آدمؑ پیدا ہوئے جو اس آئینہ عالم کے عین جلا تھے۔ چنانچہ آپ کالبد عالم کی روح قرار پائے اور ملائکہ صورت کالبد کے بعض قویٰ ہوئے۔ مثلاً عقل و وہم وغیرہ اور ہر قوت اپنی نفس کی آڑ میں محجوب ہو گئی۔ ہر قوت کو خواہ وہ نشاءِ انسانیّت کے اندر ہو یا باہر خدائے عزّوجل کے نزدیک ایک منزل رفیع رکھنے کا گمان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جمعیت الٰہیہ کی وجہ سے اس کا ایک رُخ جناب الٰہی کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا حقیقت حقائق کی طرف۔ یہی نشاءِ انسانیت ان اوصاف کی بھی حامل ہے، جو بہ تقاضائے طبیعت کلیہ عالم علوی و سفلی دونوں سے متعلق ہیں۔ اس جمعیّت کا علم عقل و فکر سے نہیں بلکہ کشفِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ بات پہنچائی جاتی ہے کہ صور نمائے عالم کا اصل انسان ہے جو خلیفۃ اللہ ہے۔ انسان کامل گویا حق سبحانہٗ تعالےٰ کے آنکھ کی پتلی ہے جس سے اپنی مخلوق کو وہ دیکھتا ہے۔ وہ انسان از روئے جسد حادث و فانی ہے اور از روئے حقیقت روح ازلی و ابدی ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تو اس کے پیدا ہونے سے عالم کے وجود کی تکمیل

ہوگئی۔ اور جس طرح انگوٹھی میں نگینہ ہوتا ہے اس طرح انسان عالم میں نگینہ کی مانند قرار پایا۔ یہی محل نقش ٹھہرا۔ چنانچہ بادشاہ اسی نگینہ سے اپنے خزانوں پر ایسی مہر لگاتا ہے جو خزانوں کی حفاظت کرتی ہے۔ سوائے بادشاہ کی اجازت کے کوئی ان خزانوں کو کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پس انسان کو اس عالم میں پروردگار نے خلیفہ بنایا جب تک اس عالم میں انسان کامل باقی ہے یہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ پھر آخرت کے خزانوں پر بھی ابدی مہر کی مانند یہی انسان مہر قرار پائے گا۔ اس وجہ سے اسماء الٰہی کے تمام چیزیں نشاء انسانیت میں ظاہر ہوئیں۔ اور اس سب کے ساتھ خدائے عزوجل کی حجت ملائکہ پر غالب ہوئی۔ کوئی شخص حق کی کسی چیز کو نہیں پہچان سکتا تاوقتیکہ وہ اپنی ذات سے عطا نہ فرمائے۔ فرشتوں کو آدم کے مانند اسماء الٰہیہ کی جمعیت حاصل نہیں ہے۔ حق جل شانہٗ نے خود ادب آموزی فرمائی ہے یعنی ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور اس کے ساتھ جو ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے وہ سیکھیں۔ بعض ایسے امور کلیہ ہیں جو خارج میں موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً حیات و قدرت و علم و ارادت ان کے علاوہ ایسے بھی امور ہیں جنہیں معقولی یا عقلی کہتے ہیں۔ یہ امور کلیہ اول الذکر کے طرح خارج میں موجود نہیں ہوتے لیکن عقل میں بے شک وشبہ موجود ہیں۔ امور کلیہ موجود فی العقل کا ہر شے میں ایک مستقل حکم اور اثر نظر آتا ہے۔ بالخصوص ان اشیاء میں جن کا وجود خارج میں موجود ہے۔ یہ امور جب تک خارج میں ظاہر نہیں ہوتے اپنے نفس کے اندر چھپے رہتے ہیں۔ اور معقولی یا عقلی کہے جاتے ہیں۔

اس لحاظ سے جسقدر اشیاء ایک خارجی وجود رکھتی ہیں۔ ان سب کو ان امور کلیہ موجود فی العقل کے ساتھ ایک نسبت دائمی ہوتی ہے اور ممکن نہیں کہ از روئے عقل اس نسبت میں کوئی زوال واقع ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ امور عقلیہ ظاہر میں امور کلیہ موجود فی الخارج کی طرح موجود رہیں۔ امور کلیہ موجود فی الخارج زمانی ہوتے ہیں یا غیر زمانی۔ ان میں سے

ہر ایک پھر جسمانی ہوتا ہے یا غیر جسمانی۔ جسمانی زمانی کی مثال اجساد ہیں اور جسمانی غیر زمانی کی مثال فلک اعظم ہے اور روحانی (یعنی جسمانی) زمانی کی مثال نفوس حیوانی ہیں اور روحانی (غیر جسمانی) غیر جسمانی کی مثال ارواح علوی ہیں۔ یہ نسبت زمانی و غیر زمانی جب امور کلیہ عقلیہ کی طرف ہوتی ہیں، تو اس میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی ہوتی ہے۔ الاآن کہ امر کلی عقلی اور امور موجودات خارجی میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً حدوث وقدم۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ لیکن یہ فرق اسی شے کی حیثیت سے ہوتا ہے جو حقائق موجودات خارجی طلب کرتی ہیں اور جس کے لئے ان کا تقاضا ہوتا ہے۔ یعنی نسبت علم بہ عالم اور نسبت حیات بہ حی۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ کو بھی علم و حیات ہے اور انسان کو بھی علم و حیات ہے اور ہر دو صفات یعنی علم و حیات کی حقیقت دونوں میں واحد ہے اور جو نسبت باہم ان دونوں صفات میں ہے وہ بھی واحد ہے لیکن حق سبحانہٗ تعالےٰ کی ذات میں یہ صفات علم و حیات قدیم ہیں اور انسان کی ذات میں حادث۔ پس معقولات و موجودات میں جو یہ ربط ہے وہ غور کرنے کے قابل ہے۔

امور کلیہ عقلیہ میں تجزیہ نہیں ہوسکتا۔ وہ ہر شخص میں بتامہا موجود ہیں مثلاً انسانیت ان میں تعدد اشخاص کی وجہ سے کوئی تعدد واقع نہیں ہوتا اور نسبت ہر حال میں واحد ہی رہتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موجودات اور امور کلیہ عقلیہ جو موجود فی الخارج نہیں ہیں ان میں بھی ایک طرح کا ارتباط پایا جاتا ہے پس اس اعتبار سے کہ امور کلیہ ذاتیہ ذات کیساتھ وابستہ ہیں ایک جدید نسبت کا ثبوت ملتا ہے جسے نسبت عدمی کہہ سکتے ہیں جو باہم امور کلی عقلی و امور موجودات خارجی میں پائی جاتی ہے۔ پس موجودات خارجی کا ارتباط مثلاً وہ ارتباط جو حق و مخلوقات میں ہے اور وہ ارتباط جو موجودات میں بعض کو بعض کے ساتھ ہے۔ ارتباط معقولی اذہنی سے بہت قریب نظر آتا ہے کیونکہ موجودات کے

درمیان ہر حال میں ایک طرح کا ایسا ارتباط پایا جاتا ہے جو ان کا جامع ہے لیکن یہ ارتباط جامع کسی وجود خارجی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ تحقیق یہ ہے کہ امور عدمیہ (ذہنیہ) اور موجودات خارجیہ میں باہم ایک قسم کا ارتباط یا نسبت عدمی موجود ہے۔ جو دونوں کو باہم جمع کو مربوط رکھتی ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا انضباط وجود خارجی کے ساتھ نسبتاً زیادہ قوی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر حادث ایک پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔ جب حضرت واجب الوجود نے اپنی ذات کے واسطے ایک حادث شے کا تقاضا ظاہر کیا تو اس واجب لذاتہ کے ساتھ یہ حادث بھی واجب ہو گیا۔ اسی طرح جب اس حادث نے اس ذات واجب الوجود پر تکیہ کیا جس سے اس کا ظہور رہا ہے تو اس ذات کا یہ تقاضہ ہوا کہ یہ حادث اس کی صورت قرار پائے۔ کیونکہ جو شے ذاتی طور پر واجب الوجود نہیں ہے اس کے اسماء، وصفات سب میں ہر شے کی نسبت واجب الوجود ہی کی طرف کی جایا کرے گی اور جب ہم نے یہ کہا کہ اس کا ظہور اس کی صورت پر ہوا ہے تو اس وقت اس نے اپنے ہی علم کے میدان میں ہمیں منتقل فرما کر یہ کہلایا ہے خود اس کا قول ہے سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم اس آیت سے ہم یہ استدلال کرتے ہیں کہ کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ہماری ذات میں نہ ہو اور ایسے سب اوصاف واجب الذاتہ ہیں۔ اس کی تائید میں یہ اخبار الٰہی وارد ہے کہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ وغیر ذالک پس ثابت ہوا کہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم شخصیت اور نوعیت کے لحاظ سے کثیر ہیں لیکن درحقیقت ایک ہی ہیں۔ وہ اس سے بے پرواہ ہے کہ ہم اس کے محتاج ہوں لیکن ہم اس سے بے پرواہ نہیں ہو سکتے کہ اس کے محتاج نہ ہوں۔ پس اس کا ازلی اور قدیم ہونا صحیح ہے۔ وہ ایسی اولیت

سے مستغنی ہے جس سے افتتاح وجود ہوتا ہے پس اس حیثیت سے کہ ایک شے عدم سے وجود میں آتے حق سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف سے اولیت کی نسبت درست نہیں ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ایک شے وجود سے عدم میں جارہی ہے حق سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف آخر ہونے کی نسبت صحیح نہیں اس کی کسی صفت میں تقلید نہیں ہے مندرجہ بالا مضمون کو زیادہ واضح زبان میں بیان کیا جائیگا تو یہ ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کے اسماء کی کوئی انتہا نہیں اور ہر اسم ایک صفت کیساتھ موسوم ہے جب اس نے چاہا کہ حقائق اسماء یا یوں کہو کہ اپنی حقیقت کا خود معائنہ فرمائے تو عالم کو بمنزلہ ایک آئینہ کے خلق فرمایا جس میں اس کی حقیقت کا مشاہدہ ونظارہ ہو سکے۔ پس باعتبار اس کی صفت خلق کے یہ عالم ایک معتدل الخلق وجود کالبدی کے مانند ظاہر ہوا جس میں روح نہ تھی یعنی مثل آئینہ بے جلا کے تھا۔ لیکن شانِ الٰہی یہ ہے کہ جو شے معتدل الخلق ہو اس میں روحِ الٰہی یعنی فیض تجلی دائمی قبول کرنے کی استعداد ضرور ہونی چاہیئے۔ یہ استعداد بھی عالم میں بحیثیت اپنے خلق کے موجود تھی۔ اس لئے گویا اس میں نفخ روح فرمایا یعنی استعداد قبول فیض عطا فرمائی۔ اس حصول استعداد کو نفخ روح سے موسوم فرمایا گیا۔ غرض کہ شانِ الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس آئینہ عالم کو جلادی جائے پس ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پس ان سے آئینہ عالم کی جلا ہوئی اور اس کالبد کے یہ روحِ رواں قرار پائے اور فرشتے اس عالم یعنی انسان کے بعض قوائے روحانیہ وحسیہ کی جگہ ہوئے۔ چونکہ خلقت انسان میں جمعیت الٰہیہ ودیعت رکھی گئی ہے۔ اس لئے اس میں ہر مقام عالی پر پہنچنے اور مرتبہ حاصل کرنے کی لیاقت موجود ہے جس کا ادراک بھی محض کشف الٰہی سے ممکن ہے۔ انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض اسی جامع حقائق ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے اور بارگاہ رب العزت میں اس کی جگہ آنکھ کی پتلی کی مانند اسی جمعیت کی وجہ سے قرار پائی ہے

اسی تیلی سے بصارت ہے ۔ اگر یہ نہیں تو بصارت بھی نہیں۔ پس اسی تیلی سے حق تعالیٰ نے اپنی خلق کی جانب نظر فرمائی اور ان پر رحم فرمایا۔ اور انسان کی خلقت سے وجود عالم کو تمام فرمایا اس کی مثال انگوٹھی کے نگینہ کی سی سمجھنی چاہیئے جس پر مہر کندہ کی جاتی ہے اور اس مہر سے بادشاہ کے خزانوں کی حفاظت اور اس کے احکام کی اجرائی کی جاتی ہے پس وجود انسانی سے حق جل وعلیٰ اپنی تمام مخلوقات کی حفاظت فرماتا ہے ۔ اور اپنے ازلی ابدی کلام کو اس کے ذریعہ سے عالم میں پہنچاتا ہے ۔

جب تک انسان کامل موجود رہے گا عالم بھی محفوظ رہے گا اور جب یہ نہ رہے گا۔ تو عالم بھی نہ رہے گا اور اس عالم سے وہ منتقل ہو کر عالم آخرت میں چلا جائیگا پھر گویا وہاں کے خزانوں کی حفاظت ہو گی اور مہر لگے گی اور وہ حالت دائمی ابدی ہو گی۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے مرتبہ کو پہچانے ۔ اس کے سامنے فرشتوں کی نظیر موجود ہے جو خاص خاص اسماء الٰہی کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں دوسرے اسماء کا علم نہ تھا۔ انہوں نے اپنے علم کو کامل سمجھ کر اور آدمؑ کے ظاہر خلقت پر نظر کر کے حق تعالیٰ سے حجت کی اور اپنی حقیقت کو نہیں پہچانا۔ اگر وہ اپنی حقیقت پہچانتے تو کبھی حجت نہ کرتے فرشتوں کا یہ قصہ اے انسان تیرے ہی سمجھانے کو بیان کیا گیا ہے۔ تجھے چاہیئے کہ اپنی حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کرے اور ہر حالت میں ادب ملحوظ رکھے اور دعوےٰ سے زبان بند رکھے کیونکہ جس طرح فرشتوں کو بہت اسماء معلوم نہ تھے ۔ تجھے بھی اس کے تمام اسماء پر وقوف نہیں ہے ۔

امور کلی گو ان کا عینی وجود نہ ہو مگر معبود فی الذہن ضرور ہوتے ہیں اسلئے انہیں امور باطن کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ان کا اثر ہر وجود عینی میں ساری وجاری ہے بلکہ عین امور ذہنی ہیں اور وجود عینی کا امتناع ان سے کیا جاتا ہے یعنی امور کلیہ اور موجودات یہ اگرچہ ایک اعتبار سے تابع ومتبوع ۔ لازم وملزوم ومؤثر ومتاثر ہیں لیکن باعتبار

اس سے کے تمام حقائق کی حقیقت ذات الٰہیہ پر منتہی ہوتی ہے۔ حقیقتہً دونوں ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ یہ حقائق مرکب ہوتے ہیں۔ طبیعت جوہر مبوعہ اور حقیقت عرضیہ تابعیہ موجودات خارجہ اعراض ہیں۔ اور امور کلیہ جوہر۔ عرض جوہر سے علیحدہ نہیں ہے جیسے علم و عالم حیات و حی۔ لیکن جس طرح علم کا مقتضی یہ ہے کہ جس میں یہ صفت علم ہو اسے عالم کہا جائے اسی طرح موصوف کے لحاظ سے صفت اس کی متقاضی ہے کہ اگر موصوف قدیم ہے تو صفت بھی قدیم ہو اور اگر موصوف حادث ہے تو صفت بھی حادث ہو۔ پس اس ارتباط مفعولات و موجودات عینیہ کی رو سے ہر امر کلی محکوم بہ اور وجود خارجی محکوم علیہ ہوا۔ امور کلی جب موجودات عینی کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو ان پر بھی محکوم علیہ کا حکم کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ وہ اپنی موصوف میں بغیر تجزی کے پائے جاتے ہیں اس لئے ان میں تجزی ممکن نہیں۔ مثلاً انسانیت نوع انسان کے ہر فرد میں بغیر تجزی موجود ہے اور تعدد افراد سے تعدد ماہیت نہیں ہو سکتی۔

جب کہ امور کلی جو غیر خارجی ہیں اور موجودات عینی جو غیر خارجی ہیں ان میں باوجود نسبت عدمیہ کے ایک قسم کا ارتباط ہے تو موجودات عینیہ میں باہم بہت زیادہ ارتباط ہونا چاہیئے۔ اسی طرح حادث و محدث کا ارتباط ہے۔ حادث کو اپنے محدث کے ساتھ رشتہ احتیاج ہوتا ہے کیونکہ اس کا وجود اسی کی ذات سے وابستہ ہے پس حادث کی صفت ہوئی۔ موجودہ بذات غیرہ یعنی واجب بالغیر اور محدث کی صفت ہوئی موجود بذاتہ یعنی واجب الوجود۔ پس جب ذات واجب الوجود نے چاہا کہ حادث کو وجود میں لائے تو تقاضا یہ ہوا کہ کل اشیاء۔ اسمار صفات میں سے سوائے اسم ذات کے اس میں ودیعت رکھی جائیں اور وہ حادث تمام اسمائے صفات کے لحاظ سے باستثنائے وجوب ذاتی واجب الوجود کی صورت پر ہو۔ پس اللہ جل شانہٗ نے اپنی معرفت کا زینہ ہمیں اس طرح بتایا کہ اپنی حقیقت پر نظر کریں۔ وفی انفسکم افلا تبصرون

نیز ہماری اپنی حقیقت حادثہ کے علاوہ اپنے دوسرے حادث اشیاء کی طرف بھی دیکھنے اور فکر کرنے کے لئے ارشاد ہوا ہے ۔ سنریهم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتیٰ یتبین لهم انه الحق پس جب بندہ اپنے نفس کو پہچانتا ہے تو اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے ۔ کیونکہ جب صفات سے اللہ جل شانہٗ موصوف ہے سوائے صفت وجوب ذاتی کے اسی وجہ سے حق تعالےٰ نے اپنا کلام اپنے بندے کی زبان میں آتارا ۔ بس جب ہم نے حق تعالےٰ کو پہچانا اور اپنی ہر چیز کی نسبت اس کی طرف کی پس حق تعالےٰ نے بھی ہمارے لئے اپنی ذات کی صفت ہماری صفات سے کی اور جب ہم نے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کیا تو ہم نے اپنی ذاتوں کا مشاہدہ کیا اور جب ہم نے اپنی ذات کو دیکھا تو اسی کی ذات کا مشاہدہ کیا ۔

اس میں شک نہیں کہ ہم ہزار ہیں وہ ایک ہے یہاں ہزار ہا عالم ہیں اور وہاں ایک ذات واجب الوجود ہے ۔ گو ہماری حقیقت جامعہ ایک ہے لیکن ہم میں سے ہر ایک میں فرق ہے تاکہ تمیز کی جا سکے اگر یہ فرق کرنے والی شے نہ ہوتی تو وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ممکن نہ ہوتی ۔ اسی طرح بندہ اور خدا میں ایک شے فرق کرنے والی ہے یعنی ہم محتاج ہیں وہ حاجت برار ہے ہم حادث ہیں وہ محدث ہے ، ہم مخلوق ہیں وہ خالق ہے نہ وہ محتاج ہے نہ وہ حادث ہے ۔ نہ وہ مخلوق ہے ۔ وہ ان صفات سے ممتاز غنی و قدیم خالق ہے ۔ اس کے لئے نہ صفت اوّل ہے اور نہ صفت آخر کیونکہ ان دونوں سے تقیید لازم آتی ہے ۔ وہ عین اپنی اولیت میں آخر ہے اور آخریت میں اوّل ہے ۔ اور یہی معنی ہو الاول ہو الآخر کے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کو ظاہر و باطن کی صفات سے موصوف کیا ۔ بس اسی رعائت سے ایک عالم شہادت بنایا اور دوسرا عالم غیب بنایا تاکہ ہم باطن حق کو اپنے باطن سے اور ظاہر حق کو اپنے ظاہر سے حاصل کریں ۔ نیز اس نے اپنی ذات

کے لئے صفات رضا اور غضب اختیار فرمائیں پس عالم کو ڈرنے والا اور امید رکھنے والا بنایا۔ اسی لیے ہم اس کے غصے سے ڈرتے ہیں اور اس کی رضا کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض کہ اس طرح تمام صفات کا مظہر انسان کو بنایا اور اپنے دونوں ہاتھوں یعنی جمال و جلال سے انسان کامل کو بنایا جو تمام حقائق و مفردات عالم کا جامع قرار پایا۔ اس طرح عالم شہادت اور خلیفہ باطن کو پیدا کر کے خود کتمان حجاب میں ہو بیٹھا۔ اللہ جل شانہ نے اپنی توصیف میں فرمایا کہ وہ حجب ظلمانیہ میں مخفی ہے یعنی حجابات طبیعت میں پوشیدہ ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ حجب نوریہ میں مستور ہے یعنی ارواح لطیفہ حاجب بارگاہ ہیں۔ عالم چونکہ خود لطیف و کثیف کے درمیان میں ہے اس لئے خود ایک حجاب ہے۔ باوجودیکہ عالم حادث و محتاج ہونے کیوجہ سے اپنے موجد کا دست نگر ہے۔ لیکن چونکہ اس میں وجوب ذاتی کے لیے کوئی امر مختص نہیں ہے اس لیے پروردگار عالم کی ذات کا ادراک کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ جل شانہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے اس لئے بنایا کہ انہیں بزرگی عطا ہو۔ اس لئے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے پر پوچھا "مامنعك ان تسجد لما خلقت بیدی" اے آدم کی بزرگی جس نے انہیں مسجود ملائک بنایا صرف اسی میں تھی کہ ان میں صورت عالم اور صورت حق دونوں کو جمع فرمایا تھا ان الله خلق آدم علےٰ صورتہٖ اور یہی گویا دونوں ہاتھ اللہ تعالےٰ کے تھے اسی جامعیت کے باعث حضرت آدمؑ خلیفہ مقرر ہوئے۔ اگر آدمؑ اللہ کی صورت پر اس عالم میں نہ ہوتے اور ان میں وہ سب چیزیں نہ ہوتیں جو رعایا اپنے بادشاہ کے جانشین میں طلب کرتی ہے تو وہ خلیفہ ہی نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ پس لازم ہوا کہ ان میں وہ تمام چیزیں موجود ہوں جن کی احتیاج رعایا کو پڑتی ہے ورنہ خلافت کا صحیح اطلاق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس لفظ کا اطلاق صحیح طور پر انسانِ کامل پر ہو سکتا ہے۔ پس اللہ جل شانہ نے حضرت آدمؑ کی صورت ظاہری حقائق و

صورت عالم کے بموجب بنائی۔ اور صورت باطنی اپنی صورت پر بنائی۔ اسی لئے انسان کی شان میں فرمایا کہ میں اس کی بینائی اور شنوائی ہو جاتا ہوں۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ میں اس کی آنکھ اور کان ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد آدمؑ کی صورت ظاہری و باطنی میں فرق فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے موجودات عالم میں سے ہر شے میں بقدر اس کی استعداد کے سریان فرمایا۔ لیکن خلیفۃ اللہ کی سی جامعیت کسی کو نہیں بخشی۔ اگر موجودات عالم میں حق تعالےٰ اس طرح اپنی صفات کے ساتھ سرایت نہ فرماتا تو کسی شے کا وجود ممکن نہ ہوتا۔ اسی ارتباطِ وجودی کے سبب سے عالم کو اپنے وجود کے بارے میں حق تعالےٰ کی طرف احتیاج واقع ہوئی۔ غرض کہ آدمؑ کی تخلیق اس طرح فرمائی اور ان سے تمام آدمیوں کو پیدا کیا۔ چنانچہ خود فرماتا ہے یاایہاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیرا و نساء یعنی اے لوگو ڈرو اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا اور اس شخص سے اس کی زوج کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو عالم وجود میں لایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں صرف اسی قدر بیان کیا جس کے لئے مجھے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تھا۔ مجھے اللہ نے جس قدر علم عطا فرمایا ہے اگر اسے بیان کرنے پر آؤں تو اس عالم وجود میں نہیں سما سکتا۔

اس فص کے بعد فص شیثیہ ہے۔ پھر فص نوحیہ پھر فص ادریسیہ پھر فص ابراہیمیہ وغیرہ علیٰ ہذا القیاس یعنی خاتم الانبیاء والمرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حکمتیں الگ الگ فصوص میں بیان کی گئی ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ہر فص ایک بحر زخار ہے جس کا سمجھنا اور حکمت الٰہی پر مطلع ہونا ہر شخص کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس کتاب کی شان نزول ہی یہ ہے کہ لوگ پڑھیں سمجھیں اور علوم الٰہی پر مطلع ہوں بعض نے حضرت

شیخ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ نے قوم لوط و قوم ہود و قوم صالح علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اہل قرب میں سے کہا ہے حالانکہ یہ قطعی جہنمی ہیں۔ مگر اس میں بھی معترض بجائے معنی کے الفاظ پر جاتے ہیں۔ حضرت شیخ نے حسب تحوائے آیۂ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لاتبصرون یکل شیئ یرجع الیٰ اصلہ ان اقوام کو خدا سے بمقابلہ ان لوگوں کے جو اس عالم شہادت میں موجود ہیں قریب تر کہا تو اس میں کونسا بخلاف نص انہیں جنتی بنایا۔ حالانکہ یہ اللہ جل شانہٗ کے فضل پر منحصر ہے کہ ایک رند خراباتی کو جنت میں جگہ دے اور اس کی شان لاابالی کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ عابد ہزار سالہ جہنم میں جائے۔ خدا کے معاملے خدا ہی کے ساتھ اسی طرح فرعون کے بارے میں حضرت شیخ اکبر نے اسے ناجی فرمایا ہے قرآن پاک میں اللہ جل شانہٗ نے آسیہ زوجہ فرعون کی زبانی صاف کہلوایا ہے کہ انہ قرۃ عین لی ولک عسیٰ ان ینفعنا یعنی یہ میرا اور تمہار دونوں کا قرۃ العین ہے قریب ہے کہ ہم دونوں کو یہ نفع پہنچائے گا۔ حضرت آسیہ کو تو یہ نفع پہنچا یا کہ حضرت موسیٰ کی بدولت وہ ایمان لائیں اور فرعون کو بھی یہی نفع پہنچا یا یعنی اس نے ڈوبتے وقت کہا کہ میں ایمان لایا اس رب پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ کہا جاتا ہے کہ فرعون کا اس وقت کا ایمان لانا قابل قبول نہیں ہے اور اس آئت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ الاقوام یونس لیکن یہ آئت قطعی طور پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ ایمان ان کو آخرت میں بھی نفع نہ دے گا۔

حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گو شیخ علیہ الرحمۃ کی بزرگی و کمال کے وہ قائل تھے مگر فتوحات کے حواشی پر بہت اعتراض کیا ہے اور گو خطاب کرتے وقت ایہا الصدیق وایہا المقرب وایہا الولی و

ابہا العارف الحقانی لکھتے ہیں لیکن بوجہ اس کے کہ شیخ نے حضرت حق کو وجود مطلق کہا ہے خاطی کہتے ہیں اور ان کلمات کو کلمات کفر کہتے ہیں۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ تکفیر ان معانی کی ہے جو کلام۔ شیخ کے انھوں نے لئے ہیں نہ کہ ان معانی کی۔ جو شیخ کے مراد ہیں۔ اس لئے کہ وجود تین طرح کا ہے۔ ایک بشرط شے۔ یہ وجود مقید ہے۔ دوسرا بشرط لا شے۔ یہ وجود عام ہے اور تیسرا بہ شرط شے یہ وجود مطلق ہے۔ شیخ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس آخری معانی میں حق سبحانہ تعالے کو وجود مطلق کہا ہے اور شیخ رکن الدین وجود عام کے معنی لیکر اس کی تردید کر رہے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمتہ کے نزدیک وجود میں نہ کوئی قید شرط ہے اور نہ عمومیت۔ قیود و تعینات مراتب میں اس کے ظہور کی شرط واقع ہوئی ہے نہ کہ فی حد ذاتہ۔ شیخ نے وحدت کو کثرت میں ثابت کرنا چاہا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کثرت مخلوقات سے وحدت حق میں کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی ہے

حضرت شیخ ابو بکر نحوانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اوائل میں فصوص الحکم کا میں بہت مشغلہ رکھتا تھا۔ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے نہایت ادب سے پوچھا کہ آپ فرعون کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ زبان حق ترجمان سے ارشاد ہوا کہ جو اس میں لکھا ہے وہی کرو۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وجود میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے۔ غرض کہ کسی کو بقول حضرت شیخ صلاح الدین) سنفکی قدس سرہٗ اگر علم لدنی والے کے کلام کو دیکھنا منظور ہو تو شیخ اکبر کی تصانیف دیکھے۔ آپ کے ہمعصر یہ بزرگ تھے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ شیخ اوحد الدین کرمانی۔ شیخ نجم الدین کبریٰ۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی۔ شیخ صدر الدین تونوی۔ شیخ موید الدین جنیدیؒ۔ شیخ ابوالحسن شاذلی مغربی

ابو العباس مرسیؒ۔ ابن الفارس حموی مصریؒ۔ عزیز الدین نسفیؒ۔ ابن الصباغؒ۔ فخر الدین عراقیؒ۔ نجیب الدین برغش شیرازیؒ۔ برہان الدین تبریزیؒ۔ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنیؒ جمال الدین جرزقانیؒ۔ سیف الدین باخرزیؒ۔ سعد الدینؒ۔ ابو محمد عبد اللہ مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ حضرت محی الدین ابن عربی کی اخیر عمر سے ملتا ہے۔ جس وقت فصوص الحکم لکھی گئی اس وقت مولانا کی عمر غالباً ۲۳ سال کی تھی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر علیہ الرحمہ سے (۵۵) سال پیشتر گزرے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل ۷۹ برس چھ یوم اس عالم فانی میں رہ کر جمعہ کی شب بائیسویں (۲۲) ربیع الآخر ۶۳۸ھ کو بمقام دمشق انتقال فرمایا اور آپ کا مزار شریف جبلِ کاسوں کے دامن میں جو صالحیہ کے نام سے مشہور ہے اب تک فیض بخش خاص و عام ہے

یتبرک و یزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

تمہید

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اپنی ذات کے لحاظ سے احد اور صفات کی رُو سے فرد ہے۔ اس نے اپنے جمالِ پاک کو سمات وجہات سے اپنی ذات کو محدثات سے۔ اپنے قدم کو اطراف سے۔ اپنے ہاتھ کو حرکات سے۔ اپنی چشم اقدس کو لحظات سے۔ اپنے استوا کو ملاپ سے۔ اپنی قدرت کو زلات سے اپنے ارادے کو شہوات سے منزہ و مبّرا فرمایا۔

جس نے اپنی صفات کو صفت کرنے والوں کی تعداد کے ساتھ شمار نہیں کیا، اور نہ ہی خواہشات کے اختلاف کی بدولت اس نے اپنے ارادے میں اختلاف فرمایا۔

اُس نے کلمہ کُن سے ساری کائنات کو مکوّن فرمایا، اور تمام موجودات کو اس کے ذریعہ ظہور بخشا۔ پس دنیا میں کوئی شئے موجود نہیں۔ جو اس حقیقت مستورہ کے بغیر ظہور پکڑتی ہو۔ اور نہ ہی کوئی حقیقت اس کے سِرِ مستونہ کے بغیر خروج چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

(جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے)

اما بعد

پس جب میں نے کون و تکوین، مکنون اور اُس کی تدوین کی طرف نظرِ غائر دیکھا تو ساری کائنات کو بصورتِ درخت پایا۔ اور اس کے نُور کی جڑ کو دانہ کُن سے پنپتے دیکھا۔ تحقیق کہ کو نیتہ دانہ کُن کے بار سے بار دار ہوا۔ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ (ہم نے تمہیں پیدا فرمایا) پس اس بیج سے پھول، پھل کی صورت میں متشکل ہوا۔ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی) پھر ایک ہی جڑ

سے دو شاخیں نمودار ہوئیں۔ وہ (جبر) ارادہ ہے۔ اور اس کی شاخ قدرتِ الٰہیہ ہے
پس کاف کے جوہر سے دو مختلف معانی یعنی کاف کمالیت " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
(آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا)
کاف کفریہ " فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ فَمِنْهُمْ مَنْ کَفَرَ " (پس ان میں کوئی
ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا) ہویدا ہوئے۔ بعینہٖ نون کے جوہر سے بھی دو نون ایک
نون نکرہ اور دوسرا نون معرفہ پیدا ہوئے۔ پس جب وہ قدم کے مقصد کے فرمان پر
عدم کے کُن سے ان پر ظاہر ہوا تو اس نے اپنے نور میں سے ان پر ترشیش (چھڑکاؤ) فرمائی
اور جس انسان تک اس نور کے قطرے پہنچے پس اس کی بدولت اس نے دانۂ کُن سے
نکلے ہوئے شجرۃ الکون کی صورت کا احاطہ کر لیا۔ پس اس طرح اس کو کُن کے کاف کے
راز میں " کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ " (تم بہتر امت تھے) کی صورت دکھائی دینے لگی۔ اور اس
کے نون کی شرح میں " اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ
مِّنْ رَّبِّہٖ (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو وہ اپنے رب
کی طرف سے نور یعنی ہدایت پر ہے) کا مطلب ان پر واضح ہو گیا۔ اور جو شخص اس نور سے
بہرہ ور ہوا وہ مقصود کے مطلب کا افشاں صرف حرف کُن سے طلب کرتا رہا۔ اس طرح وہ
اس حرف کے تلفظ میں غلطی کر کے اپنی امید میں ناکامی کا شکار ہوا۔ اور جب اس نے کُن کی
مثال کو بغور دیکھا تو اس نے گمان کیا کہ کاف کفریہ کو نون نکرہ سے ملا دیا گیا فَکَانَ
مِنَ الْکَافِرِیْنَ (لہٰذا وہ شخص کافروں میں سے ہو گیا)۔

باب دوم

اسرارِ حرفِ کُن

گویا کہ ہر مخلوق کو کلمۂ کُن کے حروف کے تلفظ کے علم اور اس کے پوشیدہ بھیدوں کے مشاہدے کے مطابق حصّہ ملا ہے اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک دال ہے "إن اللہ خلق خلقہ فِیْ ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہ فمن أصابہ ذلك النور اھتدی ومن أخطأہ ذلك النور ضل وغوی" (بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا۔ اور پھر اس پر اپنا نور چھڑکا۔ پس جس شخص کو وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے بہرہ ور نہ ہوا وہ گمراہ ہو گیا۔)

پس جب حضرت آدم علیہ السلام نے وجود کے دائرے کی طرف غور سے دیکھا تو ان کو یہ معلوم ہوا کہ موجودات کی ہر چیز کون کے دائرے کے اندر چکر کھا رہی ہے۔ وَاحِدٌ مِّنْ نَّارٍ وَّاحِدٌ مِّنْ طِیْنٍ (کوئی تو آگ سے پیدا کیا گیا اور کوئی کیچڑ سے) پھر انہوں نے دیکھا کہ دائرۂ کونیہ کُن کے اسرار پر گھوم رہا ہے۔ اور جب کن کے اسرار گھومتے ہیں اسی طرف وہ بھی چکر لگانے لگتا ہے۔ اور جس طرف وہ پرواز کرتے ہیں، وہ بھی پرواز کرنے لگتا ہے۔ غرض انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ اس دائرۂ کونیہ کا مرجع اور جولانگاہ وہی اسرارِ کُن ہے۔ جن سے نہ ہی وہ زائل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اُن سے پھر کر کسی دوسری طرف مائل ہو سکتا ہے۔ اور اس دائرۂ کونیہ کے اندر رہنے والوں کی یہ کیفیت ہے۔ کہ کسی نے "کاف کمالیہ اور نون معرفت کا مشاہدہ کیا۔ اور کسی نے کاف کفریت اور نون نکرہ کا مشاہدہ کیا۔ اس طرح دائرۂ کونیہ کا ہر موجود اپنے مشاہدے کے امر کے موافق دائرۂ کُن کے نقطے کی طرف لوٹے گا۔ اور کوئی مُکوِّن مُکوَّن کے

ارادے اور منشا سے باہر نہیں نکل سکے گا۔

غرض جب ہم نے شجرۃ الکون کی شاخوں کے اختلاف اور ثمرات کی نوع وقسم کی طرف بنظر غائر دیکھا۔ تو ہمیں پتہ چلا کہ اس درخت کی جڑ دانہ کُن سے پیدا ہوئی ہے جس سے وہ درخت نمودار ہوا۔ اور جب حضرتِ آدم علیہ السلام مکتب تعلیم میں داخل ہوئے اور انہیں تمام اسماء تعلیم کئے گئے تو انہوں نے کن کی مثال کو بغور دیکھا۔ اور اس بارے میں خوب غور کیا کہ مُکَوَّن سے مُکَوِّن کی کیا غرض ہے۔ اس طرح معلّم نے کاف کُن سے کاف کنزیت یعنی کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا لَا اُعْرَفُ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ الخ (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا جسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور پھر میں نے یہ چاہا کہ مخلوق کو پیدا کروں تاکہ میں پہچانا جاؤں) کی شہادت دی۔ اور اُس نے نون کے راز سے نونِ ربانیت یعنی اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا (بے شک میں اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جب بخوبی دیکھ لیا (کلمہ کُن) کا تلفظ درست ہو گیا۔ اور (آدمؑ) کیلئے کاف کنزیت سے کاف تکریم یعنی وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا۔ اور کاف کنیت یعنی کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّیَدًا الخ (کوئی بندہ جب نوافل کے ذریعے میرا تقرب چاہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔ جب وہ میرا دوست بن جاتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے) کا استنباط فرمایا۔ اور اس نے اس آدمؑ کیلئے انانیت کے نون سے نون نوریتہ یعنی جَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا (ہم نے اس کے لئے نور بنایا) استخراج کیا۔ اور نون نعمت یعنی اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرو تو ہرگز ان کا شمار نہیں کر سکو گے) کو اس کے ساتھ متصل کیا گیا۔)

مگر ابلیس لعین نے چالیس ہزار سال اس مکتب تعلیم میں گزارے اور وہ کُن کے

حروف کی جستجو کرتا رہا دریں اثناء معلّم نے اُسے اس کے اپنے نفس وحال وقوت کے سپرد کئے رکھا۔ اور وہ کلمہ کُن کی صورتوں کو دیکھتا تھا تاکہ ان کے ذریعے وہ کاف کفریہ کا مشاہدہ کرے۔ پس اس نے تکبّر و انکار کیا۔ اور کلمہ کُن کے نُون سے ناریت یعنی۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ کا مشاہدہ کیا۔ اور اس کی کفریت کا کاف اس کی ناریت کے نون سے مل گیا۔ فَکُبْکِبُوْا فِیْهَا الخ (پس وہ (شیطان) اور اُس کے پیروکار آگ میں مونہوں کے بل ڈالے گئے۔

باب سوم

مُشَاهِدَهٔ آدم علیہ السلام

جب آدم علیہ السلام نے اس درخت کے اختلاف اور گل ہائے رنگا رنگ اور ثمرات کی طرف دیکھا۔ تو انہوں نے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ (بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں) کی شاخ کو متعین کر لیا۔ اور اسے ندا کی گئی کہ ثمرات توحید کھاؤ اور سایہ تفرید میں آرام کرو۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (اور اس درخت کے قریب مت جاؤ) اور جب ابلیس کے بہکانے سے انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ (اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) کی شاخ کو مضبوطی سے پکڑ لیا جس کی بدولت فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (پس آدم علیہ السلام کو اپنے رب کی طرف چند کلمات القا ہوئے) کے ثمرات اس شاخ سے ان کی طرف گرنے لگے۔

اور جب یوم میثاق کو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کی صدا آئی تو ہر ایک نے اپنے مشاہدے اور لیاقت سماع کے مطابق گواہی دی۔ اور بالاتفاق بطور ایجاب سب نے بلیٰ کہا۔ لیکن اختلاف حرف گواہی دلانے میں ہوا کیونکہ جس شخص نے جمال خداوندی کی لقا کو دیکھ کر گواہی دی اس نے تو لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (اس کی مثل

کوئی نہیں کی گواہی دی۔ اور جس شخص نے جمالِ صفات کی رُو سے گواہی دی اُس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوسِ (کوئی معبود نہیں مگر وہی جو پاک بادشاہ ہے) کی شہادت دی۔ جن لوگوں سے اس مخلوق کے عرائس نے شہادت دلائی۔ انکی گواہیاں مشہود کے اختلاف کی بدولت مختلف ہوگئیں۔

لہٰذا بعض نے اللہ تعالیٰ کو حد لگائی۔ بعض نے اِسے معدوم ٹھہرایا۔ اور بعض اسے ٹھوس پتھر کی صورت قرار دینے لگے۔ اور سب لوگ اس باب میں قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا الخ (کہدے ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر اللہ تعالےٰ نے ضرور اس کو ہمارے حق میں لکھا ہوگا۔ یعنی جو کچھ ہوتا ہے ارادہ الٰہی کے موافق ہوتا ہے) کے حکم میں گرفتار تھے۔ اور یہ حکم کلمۂ کُن کے راز میں مستور ہے اور اس کے دائرہ کے نقطہ میں گھومنے والا اور اس کے دانہ کی جڑ پر قائم تھا۔ مذکورہ دانا اس شجرۃ الکون اور اس کے پھل کا بیج اور اس کی صورت کا معنٰی ہے۔ اس لئے ہم مکوّن کیلئے مثال اور موجود کے لئے صورت قائم کرتے ہیں۔ چونکہ اس درخت سے اقوال و افعال و احوال نمودار ہوتے ہیں۔ اس کو ایک ایسا درخت قرار دیا جس کا اصل سر کلمۂ کُن ہے۔ اور عالم کون میں جتنے حوادث مثلاً خسارہ۔ نفع۔ غیب۔ شہادت۔ کفر۔ ایمان۔ اعمال مقربین کے ثمرات متقین کے مدارج۔ صدیقین کی منازل۔ عارفین کی مناجات اور محبین کے مشاہدات وغیرہ یہ سب اسی درخت کے ثمرات ہیں۔

باب چہارم

شاخہائے شجرۃ الکون

اس درخت سے تین شاخیں نکلیں۔ جس کی جڑ دانۂ کُن سے نمودار ہوئی تھی۔ ایک شاخ نکل کر دائیں طرف چلی گئی اور یہ لوگ اصحاب الیمین ہیں۔ دوسری نکل کر

طرف چلی گئی۔ یہ لوگ اصحاب الشمال ہیں۔ تیسری سیدھی اور معتدل قامت شاخ بھی نکلی جس سے سَابِقُوْنَ الْمُقَرَّبُوْنَ لوگ پیدا ہوئے۔ اور جس وقت وہ درخت بخوبی مضبوط و قائم ہو کر پروان چڑھا تو اونچی اور نیچی شاخوں سے دو عالم یعنی عالم الصورت اور عالم المعنیٰ ظاہر ہوتے یعنی اس کے ظاہری پوست سے عالم الملک نمودار ہوا۔ اور اس کے باطنی اور مستور مطالب کے لباب سے عالم ملکوت ظاہر ہوا۔ اور جس آبِ رواں سے اس کی جڑیں سیراب ہوتی ہیں۔ اور جس کی بدولت وہ پروان چڑھا۔ اور جس کے سبب اس کی زندگی اور اس کے پھول پھل قائم ہیں۔ وہ عالم جبروت ہے۔ جو کلمۂ کُن کا سر ہے۔ اور پھر ایک دیوار نے اس درخت کو گھیر کر اس کے حدود و رسوم مقرر کئے۔ اس کی حدود چھ اطراف ہیں۔ یعنی

(۱) بلندی (۲) پستی (۳) دایاں (۴) بایاں (۵) آگے (۶) پیچھے۔

بلندی اس کی حدِ اعلیٰ ہے۔ پستی اس کی حدِ اسفل ہے۔ اس کے رسوم آسمان۔ اجرام افلاک۔ احکام۔ آثار اور اعلام وغیرہ ہیں۔ آسمان کے سات طبقات اس درخت کے پتوں کے بمنزلہ ہیں جن کے سایہ میں لوگ آرام کرتے ہیں اور روشن ستاروں کی تابانی میں بمنزلہ پھولوں کے بنایا۔ اور رات اور دن کو دو مختلف چادریں بنایا۔ یعنی ایک سیاہ جس کو اوڑھ کر وہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ اور دوسری سفید جسکو اوڑھ کر وہ اہلِ بصیرت پر جلوہ فگن ہوتا ہے اور پھر اس درخت کے بیت المال اور اسلحہ خانے کو بمنزلہ عرش مجید بنایا۔ تاکہ وہ درخت لوازماتِ اصلاح یہیں سے حاصل کرے۔ پس یہیں اس درخت کی طبیعتِ اصلیہ کارفرما ہے اور اس کے خدام بھی خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (اور تو فرشتوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ہمارے عرش کے گرد جمع ہو رہے ہیں) یعنی یہ فرشتے ہر وقت عرشِ معلیٰ کے گرد گھومتے جمع ہوتے۔ رجوع کرتے اور متوجہ رہتے ہیں۔ اِن فرشتوں کا یہ کام ہے جب اس درخت میں کوئی نئی بات وقوع پذیر ہو یا کوئی مشکل درپیش ہو، تو وہ تضرع و زاری و سوال

سے اپنے ہاتھ عرشِ معلی کی طرف بلند کر کے خطاسے معافی اور نسخہ طلب کرتے ہیں کیونکہ اس ذات کو ایجاد کرنے والا جہت و اینیت وکیفیت سے بالکل منزہ ہے۔ اس کی طرف اشارہ اور قصد کرنا محال و ناممکن ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی کیفیت ہے جسے پہچانا جا سکے پس اگر عرشِ مجید اس کی اطاعت کی ادائیگی اور اس کی خدمت کی خاطر قیام کیلئے اس کی طرف متوجہ ہونے والوں کی جہت نہ ہوتا۔ البتہ وہ بایں صورت اپنی طلب میں بھٹک جاتے۔ وہ ذات ان باتوں سے پاک و بلند ہے۔ صرف اللہ تعالٰی نے اسے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایجاد فرمایا تاکہ اسے اپنی ذات کے لئے محل کی صورت میں بنایا۔ اور نہ ہی وجود کو اپنے احتیاج کی خاطر ایجاد فرمایا اور اس (وجود) کو صرف اپنے اسماء و صفات کے اظہار کی بدولت بنایا کیونکہ اسکا نام غفور ہے۔ اور بخشش اس کی صفات میں سے ہے اور معہذا اس کا اسم کریم ہے اور کرم اس کی صفات میں سے ہے۔

لہٰذا اس ورحمت کی شاخیں علیحدہ علیحدہ اور ثمرات مختلف رنگ کے ہوئے تاکہ گنہگار کیلئے اس کی بخشش کا محسن کیلئے اس کی رحمت کا۔ مطیع کیلئے اس کے فضل کا۔ عاصی کے لئے اس کے انصاف و عدل کا۔ مؤمن کے لئے اسکی نعمت کا اور کافر کے لئے اس کے عذاب کا راز ظاہر ہو جائے۔

بابِ پنجم

وحدتِ وجود

اس کی ذاتِ کائنات کے ساتھ لمس و وصل و فصل سے بالکل مبترا و منزہ ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کون کا نام و نشان تک نہ تھا وَهُوَ الْآنَ كَمَا كَانَ (وہ اب بھی ویسا ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا) نہ ہی وہ کون سے متصل ہے اور نہ ہی اس سے جدا ہے۔ کیونکہ وصل و فصل صفات حدوث ہیں۔ اور اس کی ذات قدیم ہے۔ کیونکہ

اتصال و انفصال سے انتقال وارتحال لازم آتا ہے اور انتقال وارتحال سے تحوّل و زوال و تغیر و استبدال لازم آتا ہے اور یہ تمام صفاتِ نقص ہیں نا کہ صفاتِ کمال فَسُبْحَانَہٗ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ وَالْجَاحِدُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (پس اس کی ذاتِ پاک اور منزہ ہے جو چیز ظالم و منکر کہہ رہے ہیں وہ اس سے بلند ہے وہ بلند اور بزرگ ہے) پھر لوح و قلم کو بادشاہ کی اس کتاب کی مانند بنایا جس میں وہ اپنے احکامات کا اندراج کرتا ہے اور اس میں حل و عقد، قبض و بسط، وجود و عدم، احسان و اکرام، ثواب و انتقام وغیرہ کے امور تحریر کئے جاتے ہیں۔ اور سدرۃ المنتہیٰ کو شجرۃ الکون کی ایک شاخ قرار دیا تاکہ خدمت پر مامور اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والا شخص اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے نیچے قیام کرے۔ اور اس کے ثمرات اسی کے پاس ہی جمع ہوں (اور وہ وہاں کتاب الملک یعنی لوحِ محفوظ کے مطابق اس درخت کے محو و اثبات، کمی و بیشی کا مجاز و مالک ہو۔ اور سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے مقرر شخص اس سے آگے جانے کی استطاعت نہیں رکھتا کیونکہ ہر فرشتے کے لئے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ جس کے آگے وہ ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ {ہم (گروہِ ملائکہ) میں سے ہر ایک کے لئے ایک معین مقام ہے۔}

اور اس شجرۃ الکون کا ہر پھل خواہ وہ عمدہ ہو یا گھٹیا، چھوٹا ہو یا بڑا، کم ہو یا زیادہ سب کا ایک ایسی کتاب میں شمار کیا گیا ہے جو لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّا اَحْصٰہَا (جو چھوٹی بڑی کسی بھی شے کو شمار کئے بغیر نہیں چھوڑتی)

اور جس وقت اس درخت کے ثمرات سدرۃ المنتہیٰ کے ناظم کے پاس پہنچتے ہیں تو بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ان ثمرات کو دونوں خزانوں یعنی جنت و دوزخ کے لئے بنائے گئے ہیں میں داخل کر دو۔ اس کا عمدہ پھل جنت کے خزانہ میں

داخل کیا جاتا ہے۔ کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ لَفِیۡ عِلِّیِّیۡنَ (بیشک نیک لوگوں کے اعمالنامے علیین میں ہوتے ہیں) اور اس کا ردی یا گھٹیا پھل آگ کے خزانے یعنی دوزخ میں داخل کیا جاتا ہے۔ کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِیۡ سِجِّیۡنٍ (بے شک کافروں کے اعمالنامے سجین میں ہیں)

جنت اصحاب الیمین مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ مِنَ الشَّجَرَۃِ الۡمُبٰرَکَۃِ الطَّیِّبَۃِ کا گھر ہے اور دوزخ اصحاب الشمال مِنَ الشَّجَرَۃِ الۡمَلۡعُوۡنَۃِ فِی الۡقُرۡاٰنِ کا گھر ہے۔ اور پھر دنیا کو اس درخت کے شگوفوں کی جگہ بنایا۔ اور آخرت کو اس کے ثمرات کی قرارگاہ بنایا۔ اور احاطہ کرنے والے نے قدرت کے احاطے سے اس درخت کو محیط کیا۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنیوالا ہے) اور ارادے کا دائرہ اس پر گھومنے لگا یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور حکم کرتا ہے جس چیز کا ارادہ کرتا ہے) اور جب اس درخت کی جڑ اور شاخیں اچھی طرح قائم ہوگئیں تو اس کی دونوں اطراف باہم مل گئیں اس کا آخر اس کے اول سے لاحق ہوگیا اِلٰی رَبِّکَ مُنۡتَھٰھَا اِلٰی مُبۡتَدَا ھَا (تیرے رب کی طرف سے اس کا منتہی اس کے مبتدا کی طرف ہے) کیونکہ جس کی ابتداء میں کُن ہو اس کی انتہا میں یکُوۡنُ ضروری ہوتا ہے۔ اگرچہ درخت کُن کی فروعات و ثمرات اور کھیتیاں مختلف ہیں لیکن سب کا اصل دانۂ کُن ہے۔ اور ان کا آخر حرف کلمۂ کن ہی ہے۔ درحقیقت اگر کوئی بنظر بصیرت دیکھے تو اُسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ شجر طوبیٰ کی شاخیں درختِ زقوم کے ساتھ متعلق ہیں۔ اور قرب الٰہیہ کی سرد بادِ نسیم بادِ سموم کی حرارت سے ملی ہوئی ہے۔ سمائے وصل کا سایہ ظلِّ یحموم سے ملا ہوا ہے۔ ہر ایک نے اپنی قسمت کے مطابق حظ اٹھایا۔ کسی نے کاسۂ مختوم سے نوش فرمایا۔ اور کوئی کاسۂ مختوم (واجب کیا گیا) سے پیاسا رہا ہے اور کوئی ان کے مابین محروم ہی ہے۔

اور جب وجود کے اطفال عدم سے منصۂ شہود پر نمودار ہوئے۔ تو نسیم قدرت ان پر رواں دواں ہوئی۔ لطائفِ حکمت نے غذا فراہم کی اور ارادے کی بادلوں نے صنائع عجیبہ کی بارش ان پر برسائی۔ بایں وجہ اس درخت کی ہر شاخ ارادہ ازلی کے مطابق نمودار ہوئی۔ اور اس کے عنصر میں صحت و بیماری کو رکھ دیا گیا اور تمام کون دو عناصر سے جو کلمۂ کن کے دو اجزاء سے مستخرج ہے مرکب ہے۔ اور وہ دو اجزا تاریکی و نور ہیں۔ کون میں خیر نور کی طرف سے اور شر تاریکی کی طرف سے ہے۔

گروہ ملائکہ نور سے متعلق ہے۔ اس لئے ان سے خیر و بھلائی ہی سرزد ہوتی ہے۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ (وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے) شیاطین کا گروہ تاریکی سے پیدا کیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ سوائے شر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے

حضرت آدم علیہ السلام اور آپکی اولاد کو تاریکی و نور دونوں سے پیدا کیا گیا ہے خیر و شر نفع و ضرر چاروں انکے عنصر میں ودیعت کئے گئے اور انسان کو حرفت و حرکت دونوں چیزیں ہی عنایت کی گئیں۔ نور و ظلمت سے جس کا جوہر غالب آگیا۔ انسان اسی طرف منسوب ہو گیا۔ اگر اس کا جوہرِ نور، جوہرِ ظلمت پر غالب آجائے۔ گویا انکی روحانیت اس کی جسمانیت پر غالب آگئی۔ بے شک اس طرح انسان ملک و فلک سے بہتر و افضل ہو گا۔ اور اگر اس کا جوہرِ ظلمت، جوہرِ نور پر غلبہ حاصل کرلے۔ تو بایں صورت وہ شیطان سے بھی بڑھ جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کُن کی مشتِ خاک سے پیدا فرمایا اور ان کی پشت پر اپنا دستِ قدرت پھیرا تاکہ بُرے بھلے میں تمیز ہو سکے اور ان کی پشتِ مبارک سے اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کو نکالا۔ اصحاب الیمین اپنی دائیں طرف چلے گئے اور اصحاب الشمال اپنے آپ بائیں طرف چلے گئے۔ اور ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے اصل مقصد سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو سکا۔

باب پنجم

حقیقتِ نُورِ مُحمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شجرۃ الکون جس کی اصل دانۂ کُن سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا کام یہ کیا۔ اس کے عنصر کا جوہر نکال کر اُسے اتنا خالص اور پاکیزہ کیا۔ کہ وہ ہر قسم کی الائش اور کدورت سے پاک ہو کر مزیّن ہو گیا۔ اور پھر اُس پر نُورِ ہدایت مترشح فرمایا۔ جس کی وجہ سے جوہرِ اصلی ہویدا ہو گیا۔ اور پھر اُسے اپنی رحمت کے سمندر میں غوطہ زن فرمایا۔ تاکہ اس کی برکت عام ہو جائے۔ پھر اُس سے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نُورِ مبارک پیدا فرمایا بعد ازاں ملاءِ اعلیٰ کے نُور سے مزیّن فرما کر ضیاء و رفعت بخشی۔ اور اس نُورِ مُبارک کو ہر ایک نُور کا اصل ٹھہرایا۔ پس حضرتِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تحریر (تخلیق نُور) میں سب سے اوّل اور ظہور میں سب سے آخر ہیں۔ آپ قیامت کے قائد۔ مسرتوں کے مبشر، دیوانِ اُنس کے مقیم، ریاض الانس و حضرۃ الانس مُستقر ہیں۔ آپ کے رُوحانی و مُعانی کو حجابِ جسمانیت میں اور آپ کے عالمِ شہود کو آپ کے عالمِ وجود میں مستور فرما دیا گیا ہے آپ بے شک اسی جہان میں سے ہیں۔ لیکن تمام عالمِ کون آپ کے لئے بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عالمِ کون کو اس لئے پیدا نہیں کیا۔ کہ آپ کو اس کا احتیاج تھا۔ بلکہ آپ کی پیدائش مبارک سے پانی اور کیچڑ کی فضیلت و مکرمت کا اظہار مقصود تھا کیونکہ اس نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا۔ لیکن سوائے آدمی کے کسی کو اپنی خلافت عنایت نہیں فرمائی۔ کسی اور شے کے بارے میں اس نے یہ نہ فرمایا اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (بیشک میں زمین پر ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں) آدمی کے وجود کے ظہور میں یہی حکمت تھی کہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و منزلت کو ظاہر کیا جائے۔ لہٰذا اجسام کے پیدا کرنے میں یہ حکمت تھی تاکہ اس کی بدولت کاف کنزیہ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا

لأُعرف (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جس کو کوئی پہچانتا نہ تھا) کا اظہار کیا جائے۔ اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ایجاد کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی معرفت حاصل ہو۔ چونکہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک اتم و اکمل معارف کے ساتھ مخصوص تھا۔ کیونکہ سب لوگوں کے معارف ایمان اور تصدیق سے متعلق ہیں۔ اور آپ کی معرفت مشاہدے اور معائنے سے وابستہ ہے۔ اور فی الحقیقت سب لوگوں نے آپ کے نورِ معرفت کی بدولت اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ ہم پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دانۂ کُن کے مغز سے ظاہر فرمایا جس طرح ایک کھیتی اپنے بُھٹے کو نکالتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے صحابہ کے ذریعے مضبوط فرمایا۔ پھر آپ اپنی قرابت کی بدولت اور بھی زیادہ قوی ہو گئے اور اس طرح آپ اپنی آرزو اور شوق کی بدولت مرتبۂ طمانیت و قرار پر گامزن ہوئے۔

جب (اس شاخِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور پکڑا تو اس کی معطر لکڑی پُر برگ و بہار ہوئی اور قبولیت کے بادل برسنے لگے۔ اور آپ کے وجودِ تقدس کے ظہور کی بشارت کا دونوں جہانوں میں ڈنکا بجنے لگا۔ اور جن و بشر نے آپ کے وجودِ مسعود کی آمد آمد کی مبارکبادیاں دیں۔ اور سارا جہان آپ کے وجودِ مقدس کی بدولت معطر ہو گیا۔ اور آپ کے پیدا ہوتے ہی تمام بُت سرنگوں ہو گئے۔ اور آپ کے مبعوث ہوتے ہی تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔ اور آپ کی تصدیق پر قرآن پاک نازل ہوا۔ اور شجرۃ الکون طرب و انبساط سے جھومنے لگا۔ تمام شاخیں اور رنگ دار پھول لہلہانے لگے۔ اس درخت کی ان تمام شاخوں نے جو بائیں طرف علیحدہ ہو گئی تھیں اور گمراہی کے گڑھے میں گرنے کو ہی تھیں جب ان کو خبر پہنچی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی ہوائیں چل پڑی ہیں "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" (ہم نے آپ کو سارے جہانوں کی رحمت بنا کر بھیجا) تو اُس نے سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ" (جن

سے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا ہے) کی خوشبو کو سونگھا۔ تو وہ ہدایت کی طرف مائل ہو گئے۔ اور جن کو گمراہی کا زکام لگا ہوا تھا۔ یا وہ خلعت وقبولیت سے عاری تھے (وہ اس خوشبو کو سونگھ نہ پائے) پس اس لئے قدرت کی تند وتیز ہواؤں نے اس کی تازگی کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ لہٰذا اس کی سعادت ترش روئی کا شکار ہو گئی۔ اور وہ اپنی کامیابی کی اُمید سے مایوس ہو گئے۔

اِس شاخ کا راز وجود کے درخت کا ثمر اور وجود کے صدف کا درِ ناسفتہ تھا۔ اور روحانیت کی رُوح یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (اے نبی بے شک ہم نے آپکو شاہد بشارت دینے اور ڈرانے والا اور اس کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا) کی رُوح ہے۔ پس وہ کون کی ظلمت کا چراغ اور وجود کے جسم کی رُوح ہے کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے آسمان وزمین کو خطاب کر کے فرمایا تھا اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (تم دونوں طوعاً وکرھاً آؤ تو دونوں نے کہا کہ ہم مطیع ہو کر آئے) پس یہ جواب زمین سے کعبہ مقدسہ کی جگہ اور آسمان سے محاذاتِ کعبہ نے دیا۔ اِس طرح کعبہ مقدسہ کی زمین ایمان کا محل ہو گئی۔ پس جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو ہر قسم کی بری بھلی زمین سے ایک ایک مشتِ خاک جمع کرنے کا حکم دیا۔ تو اس وقت فرشتوں نے حسبِ حکم ہر قسم کی بری بھلی مٹی آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کرنے کے لئے جمع کی۔ کعبہ شریف جو ایمان کا محل ہے۔ خاص اس جگہ سے بھی ایک مشتِ خاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر مبارک تیار کرنے کے لئے لی گئی اور اس کو آدم علیہ السلام کے خمیر میں ملا دیا گیا۔

اگر خمیرِ آدم میں وہ مشتِ خاک جس سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرمائے گئے۔ نہ ہوتی۔ تو یوم میثاق کو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے ندا کے جواب میں بَلٰی کہنے

کی جرأت کسی کو نہ ہوتی ۔ آپؐ کے اس قولِ مبارک کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے) کا یہی مطلب تھا۔ خلاصہ یہ کہ وجود کے حقائق اور اس کی برکت آپ ہی کے وجود کے ذرات ہیں ۔ اور بوقت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی آپ کا خمیر تمام بنی آدم کے اجزائے ذرات میں سرایت کر گیا ۔ بایں وجہ جواب دینے کے لئے ان کی زبانوں میں باذن اللہ جرأت پیدا ہو گئی ۔ پھر جس کے خمیر میں بنا بر تقدیر الٰہی تخمیر کی استعداد تھی ۔ اس میں تو خمیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہا ۔ یہاں تک وہ عالم محسوس میں ظاہر ہوا ۔ پھر وہ اسی صورت پر قائم رہا ۔ پس اس دعوے کی تحقیق کے لئے یہ مطلب ظاہر ہوا ۔ اور اس روحانی معنیٰ کا نور محاذات جسمانی پر چمکا ۔ پس اس طرح جسم تاریکی کے بعد منوّر ہوا ۔ اور وہ طاعتِ الٰہی کی حقیقت کو پہچان گئے ۔

اور جس کی طینت میں خمیر کی قابلیّت نہ تھی ۔ اور ان میں صرف یوم میثاق میں جواب دینے کے لئے ہی تخمیر نبویؐ کی تاثیر رکھی گئی تھی تاکہ بَلٰی کہنے کے لئے اس کی زبان میں فصی[illegible] پیدا ہو جائے ۔

مدّتِ مدید کے بعد وہ خمیر اس کی طینت کے فاسد ہونے کی بدولت تباہ ہو گیا ۔ تو خمیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو بطور امانت تھا اپنی اصلی حالت پر واپس آ گیا ۔ کیونکہ اس امانت کی حفاظت کفار کے دل نہیں کر سکتے تھے ۔ بلکہ وہ مومنین کے قلوب میں محفوظ رہ سکتی تھی ۔ آپ کے قولِ مبارک کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ الَّتِیْ فَطَرَ اللّٰہُ النَّاسَ عَلَیْھَا (ہر ایک بچہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے ۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو پیدا فرمایا ۔ یعنی فطرتِ اسلام پر) کیونکہ تمام انسان ایمانِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی میں برابر ہیں ۔ کیونکہ تلبیہ کی مساوات اور اجابت کی ندا صرف اس خمیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت تھی ۔ جو ان کے اجزاء کے ذرات میں سریان کئے ہوئے تھا ۔ جو علم الٰہی اور تقدیر الٰہی کے

مطابق اس اقرار پر قائم و باقی رہا وہ انکار و جحود سے بچا رہا۔ اس شجرۃ الکون سے جو کچھ حادث ہوا امتلاً بالیدگی۔ فزونی۔ افکار کے پھول دھیل۔ پر یقین و شوق مستعد ذوق۔ پاکیزہ بھید طلب بخشش کی نسیم جو بیخ اعمال سے نمو پا کر احوال کو پاکیزہ کرتی ہے۔ جو ریاضات نفوس۔ مناجات القلوب۔ منازل اسرار۔ مشاہدات ارواح کے ساتھ پر برگ و بہار ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے حکمتوں کے پھول اور معرفتوں کی باریکیاں جنم لیتی ہیں جس سے الفاس کی خوشبو اٹھتی ہیں۔ جس سے انس کے اوراق پیوستہ ہوتے ہیں جس سے مفید ہوائیں نشو و نما پاتی ہیں اور جو مخصوص لوگوں کے مراتب۔ خواص کے مقامات۔ صدیقین کی منازل۔ مقربین کی مناجات اور محبین کے مشاہدات سے اس کی اصل پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ سب امور۔ اسی شاخ محمدی ﷺ سے بہرہ ور و بار ور ہوئے۔ سب اسی کے نور سے تاباں ہیں اور اسی کی نہر کوثر سے سیراب ہیں۔ اس کے احسان کے جوہر کی غذا کھانے والے اور اس کی ہدایت کے گہوارے میں پرورش پانے والے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی برکات عام اور اس کی رحمت تمام مخلوق پر تمام ہوئی۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا) اور جب آپ کی بدولت شجرۃ الکون کے گھر کو بنایا گیا۔ اور آپ ہی کے لئے دن اور رات کو مسخر۔ رسوم کو رواج دیا گیا اور اقطار کی حدود مقرر کی گئیں۔ اور آپ کے ذکر کو شہرت اور آپ کے اسرار و مقام کی لوگوں کو اطلاع دی گئی۔ آپ کی تصدیق کے لئے عہد میثاق لیا گیا۔ آپ کی تحقیق کو متمسک کیا گیا۔ آپ کی عروس شریعت کو آپ کے متبعین اور صحابہ کرام کے ذریعے مزین کیا گیا۔ آپ کی نبوت سے انبیائے کرام کی نبوت آپ کی کتاب سابقہ کتب اور آپ کی رسالت سے تمام رسولوں کا سلسلہ منقطع کیا گیا۔

پس جو کوئی آپ کی شریعت عالیہ میں دامن میں پناہ لے گا۔ وہ نجات پائے گا۔ اور جو شخص آپ کی ملت کی رسی سے بندھا رہے گا۔ وہ اسی طرح محفوظ رہے گا۔

جیسے آدم علیہ السلام نے آپ کے توسّل رنج والام سے نجات پائی۔ اور اسی طرح جب آپ صلب حضرت ابراہیم علیہ السلام میں منتقل ہوئے تو اُن پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور جب آپ صدف اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہوئے تو آپ کی ہی بدولت آزمائش عظیم میں فدیہ (ذبح) ذبح کیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ اصحاب الیمین کی شاخ کا ثمر یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ انکو دوست رکھتا ہے۔ وہ اس کو دوست رکھتے ہیں) اصحاب الشمال کی شاخ کا ثمر وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ (جب تک آپ ان میں ہیں اللہ تعالےٰ انکو عذاب نہیں دے گا) سابقون المقربون کی شاخ کا ثمر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت گیر اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں) پس آپ کی برکت تمام آفاق میں عام اور آپ کا کلمہ مکمل و تمام ہو گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو آپ کے اسم پاک کی صورت پر پیدا کیا گیا کیونکہ آدم علیہ السلام کا سر مبارک آپ کے اسم پاک کے پہلے میم کی طرح گول ہے۔ اس (آدمؑ) کے بازوؤں کا دونوں پہلوؤں کے ساتھ الصاق "حا" کی صورت کی طرح ہے اور ان کا باطن مبارک آپ کے اسم مبارک کے دوسرے "میم" کی صورت پر ہے۔ اور دونوں پاؤں پھیلی ہوئی "دال" کی مانند ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کو آپ کے اسم مبارک کی صورت کامل سے متمثل فرمایا۔

باب ہفتم

سرِّ آدم و عالم

اور اللہ تعالیٰ نے تمام عالَم کون کو آدم علیہ السلام کی صورت و اسم پر پیدا فرمایا کیونکہ عالم کی دو اقسام ہیں۔ عالم الملک اور عالم الملکوت۔ عالم ملک جسمانیت آدمؑ کی مانند ہے۔ اور عالم ملکوت مثلِ روحانیت آدم علیہ السلام ہے۔ کثافت عالم سفلی ان کی جسمانیت کی کثافت کی مانند اور لطافت عالم علوی ان کی روحانیت کی لطافت کی مثل ہے۔

اور ایستادہ پہاڑوں کو زمین کے لئے میخیں بنایا گیا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسمِ اقدس میں ہڈیوں کی مانند ہیں جو ان کے جسم میں میخوں کا کام دیتی ہیں۔ اور چلتے پھرتے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے دریا اور غیر جاری کھارے اور میٹھے سمندر کی مثال جسم میں اس خون کی مانند ہے جو اس کی رگوں میں جاری اور اعضا میں رُکا ہوا ہے۔ دریاؤں کے پانی کے ذائقوں میں اختلاف کی مثال انسانی جسم میں یوں ہے۔ شیریں پانی لعاب دہن کی مانند ہے کیونکہ اس میں کھانے پینے کی چیزیں ملتی رہتی ہیں۔ آنکھ کا پانی نمکین ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے آنکھ کی چربی سالم رہے اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے تاکہ اگر کوئی کیڑا مکوڑا اس میں داخل ہو جائے۔ تو وہ مر جائے۔ اور بعینہٖ بعض زمینیں عمدہ ہوتی ہیں۔ جس میں کھیتی اُگنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور بعض سنگلاخ ہوتی ہیں جن میں کھیتی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح انسان کے جسم کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جیسا کہ زمین میں بڑے بڑے دریا ہیں اور ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے جسم میں بڑی سخت رگیں مثل وتین (شاہ رگ) موجود ہیں۔ جس سے تمام رگوں میں خون پھیلتا ہے۔

پھر عالم علوی یعنی آسمان میں اللہ تعالیٰ نے سورج کو اہلِ زمین کے لئے روشن چراغ کی مانند بنایا۔ بعینہٖ انسانی جسم میں روح نے ضیا بخشی۔ بوقت موت جب جسم سے

روح غائب ہو جاتی ہے۔ تو جسم اسی طرح تاریک ہو جاتا ہے۔ جس طرح سورج کے غائب ہو جانے سے زمین تاریک ہو جاتی ہے۔

اور پھر عقل انسانی کو مانند قمر کے بنایا۔ جس طرح چاند کبھی گھٹتا اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اور ابتدا میں وہ ہلال یعنی چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے بچے کی عقل شروع میں چھوٹی ہوتی ہے۔ جس طرح چاند بڑا ہوتا جاتا ہے اسی طرح بچہ کی عقل حسب عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور جیسے چاند چودھویں رات کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ عین اسی طرح عقل انسانی بھی چالیس سال کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح آسمان پر پانچ سیارے جنہیں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ یعنی زحل۔ مشتری۔ عطارد۔ مریخ۔ اور زہرہ۔ اسی طرح انسان میں بھی حواس خمسہ یعنی شم۔ ذوق۔ لمس۔ سمع اور بصر موجود ہیں۔ جس طرح عالم علوی میں عرش و کرسی بنائے گئے۔ اسی طرح جسم انسانی میں دل بمنزلہ عرش اور سینے کو بمنزلہ کرسی پیدا کیا گیا۔

عرش مجید کو خدائے قدوس نے پیدا کر کے اپنے بندوں کے قلوب اس کی طرف مائل کئے۔ اور التجاء و زاری کے وقت ہاتھوں کو اپنی طرف بلند کرنے کے لئے اس کو محل قرار دیا۔ اور نہ یہ کہ عرش کو اس نے اپنی ذات کیلئے محل اور اپنی صفات کا مجانس بنایا۔ کیونکہ اس کا نام رحمٰن ہے۔ اور استوا اس کی نعت و صفت اس کی ذات سے متصل ہے۔ عرش اس کی مخلوقات میں سے ہے۔ نہ وہ اس کے ساتھ متصل ہے۔ اور نہ ہی اس نے اس کی ملامست ہے۔ اور نہ ہی وہ اس پر محمول ہے اور نہ اس سے کا احتیاج ہے کرسی اس کے اسرار کا ظرف اور انوار کا ترکش ہے۔ جو کچھ دائرہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے) میں ہے وہ اس کی امانت گاہ ہے۔

لہٰذا اللہ تعالےٰ نے انسان کے سینے کو بمنزلہ کرسی کے بنایا کیونکہ اس سے علوم

صادرہ کی تحصیل ہوتی ہے۔ جو بمنزلہ ایک ایسے میدان کے ہے جو قلب و نفس کے دروازے پر ہے۔ اور یہاں سے دو دروازے قلب و نفس کی طرف نکلتے ہیں۔ قلب سے جو بھلائی یا نفس سے جو برائی صادر ہوتی ہے۔ اس کا محصل صدر ہے اور اس سے جوارح مستفید ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے۔ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ (اور سینوں میں جو کچھ ہے وہ حاصل کیا جائیگا)۔

اور اللہ تعالےٰ نے دل کو بمنزلہ عرش کے بنایا۔ عرش مجید آسمانوں پر مصروف اور زمین پر مسکون ہے۔ کیونکہ دلوں کا عرش آسمانی عرش سے افضل ہے۔ اور نہ ہی آسمانی عرش میں خدا تعالیٰ سما سکتا ہے اور نہ ہی عرش مجید اسے اٹھا سکتا ہے۔ اور وہ اس کا ادراک بھی نہیں کر سکتا۔ اور یہ زمین کا عرش ہر وقت خدا تعالیٰ کی رویت میں منہمک رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس پر اپنا ظہور بخشتا ہے۔ اور آسمانِ کرم سے اس پر نزول فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

مَا وَسِعَنِيْ سَمٰوٰتِيْ وَلَا اَرْضِيْ وَوَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنْ

(اور نہ ہی میرا آسمان مجھے اپنے میں سما سکتا ہے اور نہ ہی میری زمین اور پھر عالمِ آخرت میں جنت اور دوزخ کو بنایا گیا۔ اور جنت کو خیر کا اور دوزخ کو شر کا خزانہ بنایا گیا۔ اسی طرح قلب انسانی میں "سویدا" صرف بھلائی کا مکان ہے جو بندۂ مومن کے لئے جنت کی مانند ہے کیونکہ وہ محلِ مشاہدہ و تجلّی و مناجات و منازل اور منبع انوار ہے۔ اور نفس کو بمنزلہ دوزخ کے بنایا۔ جو منبعِ شر، محلِ وسواس، منزلِ شیطان اور بیت الظلمت ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے لوح و قلم کو کِتَابُ الْكَوْنِ وَالتَّكْوِيْنِ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ کا نسخہ بنایا۔ اور فرشتوں کو اس نسخہ کے محو و اثبات موت و حیات اور کمی و بیشی کے تحریر کرنے پر مامور فرمایا۔ بعینہٖ زبان بمنزلہ قلم اور سینہ کو بمنزلہ لوح بنایا۔ جو کچھ زبان سے نکلتا ہے۔ ذہن اس کو لوحِ صدر پہ تحریر کر دیتا ہے۔ اور

ارادۂ قلب جس چیز کو سینہ کی طرف مبذول کرتا ہے۔ زبان ترجمان کی مانند اس کا اظہار کرتی ہے۔ پھر حواس کو دِل کا رسول بنایا اور جو چیز دل میں ہوتی ہے (حواس) یعنی رسول اس کو تحریر کر لیتے ہیں اور کان اس کا رسول بمنزلہ جاسوس۔ آنکھ اس کا رسول بمنزلہ نگہبان اور زبان اس کا رسول بمنزلہ ترجمان کے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تصدیق ربوبیت و رسالت کے لئے ہیکل انسانی کو پیدا فرمایا۔ کیونکہ وہ مدبر یعنی روح کا محتاج ہے۔ اور مدبر واحد ہے۔ رُوح غیر مرئی۔ غیر متکیف غیر متحیز ہے۔ کوئی چیز بجز اس کے شعور و ارادے کے متحرک نہیں۔ جسم میں المکس و احساس بھی اسی کی بدولت موجود ہے۔ اور جسد انسانی میں ان تمام چیزوں کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عوالم کیلئے ایک مدبّر و محرک کی ضرورت ہے۔ پھر اس سے صرف ایک ہی مدبّر کے وجود کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کا جاننے والا ہو۔ اور وہ اس کی حدوثیت پر قادر ہو۔ وہ مدبّر غیر مکیف غیر متمثل۔ غیر مرئی۔ غیر متحیز۔ غیر محسوس غیر مجسّ۔ غیر ملموس اور غیر مقبوس ہو یعنی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بلکہ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے)

گویا کہ اللہ تعالیٰ کے دو رسول مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں ایک ظاہری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے باطنی رسول حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ پس جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر ان کی قوم کی طرف آتے تھے اور آپ کی قوم ان کو نہ دیکھ سکتی تھی اور نہ پہچانتی تھی۔ یعنہٖ مدبّر ہیکل انسانی کے بھی دو رسول ہیں۔ ایک رسول ظاہری اور ایک باطنی۔

بابِ ہشتم

اشاراتِ درجاتِ رسالت

باطنی رسول ارادہ ہے جو بمنزلہ جبرائیل علیہ السلام کے ہے جو زبان یعنی (ظاہری رسول)

کی طرف وحی لاتا ہے اور زبان ارادے کو ظاہر کرتی ہے اور وہ بمنزلہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ جس طرح وجود انسانی سے آپؐ کی صحتِ نبوت اور صدقِ رسالت ثابت ہے۔ اسی طرح انسانی وجود سے تحقیقِ شریعت اور اتباعِ سنّت پر بھی دلالت ہو سکتی ہے۔ چونکہ انسان کے ہاتھوں کی پانچ انگلیاں ہیں یعنی یہ پانچ اصل ہیں۔

اَصْلِ اوّل اسلام کی بنیاد بھی پانچ اصولوں پر ہے۔ جیساکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ بُنِیَ الاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃً اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوۃِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ وَالْحَجَّ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ الْحَرَامِ (اسلام کی بنیاد پانچ شہادتوں (ارکان) پر رکھی گئی ہے (۱) یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرے (۳) زکوٰۃ دے (۴) رمضان شریف کے روزے رکھے (۵) حج بیت اللہ کرے۔)

اَصْلِ دوم:۔ نماز پانچ اوقات میں ادا کی جاتی ہے۔

اَصْلِ سوم:۔ زکوٰۃ مفروضہ نصاب میں خمس ہے۔

اَصْلِ چہارم:۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں۔ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اگر آپ کو ساتھ ملالیا جائے تو پانچ ہو جائیں گے۔

اَصْلِ پنجم:۔ اسی طرح آپ کے اہلِ بیت کی تعداد مع آپ کے پانچ ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ علی و فاطمہ و حسین و حسن علیہم السلام۔

اور جب معلوم ہو گیا کہ ارکانِ دین یہی ہیں تو ارکان شریعت کو قائم رکھنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اور محبت صحابہ و مودّت قرابت واجب ولابدی ہے۔ لہٰذا انسان کے اعضاء میں بھی مذکورہ پانچ چیزوں کو پانچ ارکان پر دلالت پیدا کیا ہے لہٰذا اسلام کے مذکورہ پانچ اصول جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ حواسِ خمسہ یعنی سمع بصر۔ ذوق لمس اور شم کے میں

کیونکہ تو ان حواس کی بدولت ہر شے کی لذت و معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

اس طرح ان پانچ ارکان کے قائم کرنے سے انسان ہر چیز کے ذوق وعرفان کا ادراک و معرفۃ الرحمٰن اور علم الایقان حاصل کر سکے گا۔ مثلاً حاسۂ بصر انسان کو نماز قائم کرنے کی طرف بلائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

حاسۂ لمس انسان کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف بلائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (تو ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے)۔

حاسۂ ذوق انسان کو اس امر پہ تیار کرے گا۔ کہ تو لذتِ طعام کو روزے کے رکن کو قائم کرنے کے لئے ترک کر دے۔ حاسۂ سمع انسان کو اذان وغیرہ کی سماعت کی ترغیب دلائے گا اور حاسۂ شم انسان کو توحید کی خوشبو سونگھنے کی طرف مائل کرے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ (بے شک میں خدا تعالےٰ کے سانس کو یمن کی طرف سے محسوس کر رہا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ یہ حواس خمسہ انسان کو مذکورہ پانچ ارکانِ شرعی قائم کرنے کی طرف بلائیں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے دائیں ہاتھ کی پانچ انگلیوں کو بمنزلہ پانچ افراد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے بنایا ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا تو فرشتوں نے اس کا استقبال کیا اور اُسے سلام کیا جانے لگا یعنی فرشتے اس نور پاک کو سلام کرتے تھے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام اس نور پاک کو ابھی تک دیکھ

نہیں پائے تھے۔ ایک دن انہوں نے اللہ تعالےٰ کے حضور درخواست کی۔ بارِ الہا! مجھے اس بات کا اشتیاق ہے۔ اپنے صاحبزادے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کا دیدار کروں۔ اے اللہ! اسے میرے کسی ایسے اعضاء کی طرف منتقل کردے جس کے ذریعے میں بآسانی نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سکوں۔ چنانچہ استدعائے آدم علیہ السلام پر نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں ہاتھ کی انگلی سبابہ میں منتقل کر دیا۔ اب جبکہ آدم علیہ السلام نے اپنی انگلی نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت تاباں و منور دیکھا۔ توانہوں نے اس کو اونچا کر کے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فرمایا۔ اور بایں وجہ اس انگلی کا نام مسبحہ پڑگیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام ملتجی ہوئے کہ الہا! کیا اس نورِ پاک سے میری صلب میں بھی کچھ بچا ہے یا کہ نہیں۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہاں۔ آپ کے چاروں خلفاء ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نور ابھی تک تمہاری پشت میں موجود ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نور کو آدم علیہ السلام کے انگوٹھے میں، حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے نور کو وسطیٰ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نور بنصر میں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ کا نور چھنگلیا میں رکھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہاتھ کی ان انگلیوں کا یکجا ہونا ہی ان پانچ حضرات کی محبت پر دال ہے۔ ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق نہیں ڈالنا چاہیئے۔ پس بے شک ان کے درمیان جمعیت ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ الخ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کی معیت میں ہیں)۔

پھر اللہ تعالےٰ نے انسان کے بائیں ہاتھ میں پانچ انگلیاں پیدا کیں۔ جو پانچ اشخاص یعنی اہل بیت کی یاد دلاتی ہیں۔ ان سے اللہ تعالےٰ نے رجس (پلیدی) کو دور کر

دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (اللہ تعالیٰ نے یقیناً اہل بیت کرام سے رجس دور کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ انہیں بالکل پاک کردے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت میرے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے باب میں نازل ہوئی

باب نہم

اسرار ارکان اسلام

پھر اللہ تعالیٰ نے تیرے قدموں (پاؤں) کی بھی پانچ پانچ انگلیاں بنائیں تیرے لئے وہ پانچ فرض نمازوں کی یادداشت کی طرف اشارہ کرنے والی ہیں۔ یہ کہ انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر نماز قائم کرے۔ کیونکہ نماز زمین میں اللہ تعالیٰ کی خدمت گذاری ہے۔ اور خدمت قدمین (دونوں قدموں) سے متعلق ہے۔ پس اس طرح تیرے دائیں پاؤں کی پانچ انگلیاں پانچ نمازوں کی اور تیرے بائیں قدم کی پانچ انگلیاں زکوٰۃ کے واجب نصاب یعنی پانچ درہم کی یاد دلاتی ہیں۔ پس زکوٰۃ نماز کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ دونوں قدموں کی انگلیوں کا اشارہ نماز و زکوٰۃ کی طرف ہے۔

باب دہم

اسرار برزخ و حشر

پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزیں بنائیں جو اس کی موت اور بعث بعد الموت پر دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ النوم (نیند) کو پیدا فرمایا۔ جو قبر (برزخ) کے عذاب و ثواب پر دال ہے۔ کیونکہ نیند میں بعض اوقات انسان بُرے خواب دیکھتا ہے۔ جس کی بدولت تکلیف ہوتی ہے۔ جیسا مُردہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ مفقود الحس ہوتا ہے

اس کی سماعت و بصارت و درایت کا العدم ہوتی ہے ۔
پھر اللہ تعالٰے نے اس کے لئے کان اور آنکھ کو پیدا فرمایا ۔ جن کی وساطت سے وہ سنتا ، دیکھتا ہے ۔ اور وہ اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے ۔ یہاں اس کا نفس اسے چاہتا ہے لے جاتا ہے اور وہ کھاتا اور پیتا ہے ۔
مذکورہ امور بمنزلہ برزخ کے عذاب و مسرت کے ہیں ۔ پھر وہ اسے نیند سے جگاتا ہے ۔ جس میں انسان بے اختیار ہے ۔ اگر اس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ نیند سے کبھی بیدار نہ ہو ۔ تو وہ کبھی بھی اس پر قدرت نہیں رکھ سکتا ۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا ۔ اسے بیدار کر دے گا ۔ بعینہٖ جب اللہ تعالےٰ چاہے گا ۔ تو وہ مردوں کو قبروں سے زندہ فرمائے گا جس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہوگا ۔ اگر وہ چاہیں بھی کہ ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں تو وہ ہرگز اس پر قادر نہیں ہو سکیں گے ۔ اس بیان سے زنادقہ ، دھریہ ، فلاسفر اور معتزلہ گمراہ فرقوں کا جو عذابِ قبر اور بعث بعد الموت کے منکر ہیں کا پورا رد ہو جاتا ہے ۔

بابِ یازدھم

فیضانِ حکمتِ الٰہیہ

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تین اصناف پر پیدا فرمایا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج مِنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ كَالْحَيَّاتِ وَالدِّيْدَانِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ج كَالطَّيْرِ وَالْاٰدَمِيِّ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى اَرْبَعٍ كَالدَّوَابِّ ۔ (اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز کو پانی یعنی نطفہ سے پیدا فرمایا ۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں مثلاً سانپ اور کیڑے ۔ بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں مثلاً پرندے اور آدمی اور بعض ان میں سے چار پائے ہیں مثلاً گائے بھیڑ بکری وغیرہ)

پھر ان میں سے کچھ بصورت سجدہ کرنے والوں کے ہیں۔ کچھ رکوع کرنے والوں کی صورت میں اور بعض حالتِ قیام میں ہیں۔ جیسے درخت دیواریں وہ حالت رکوع میں نہیں جا سکتے۔ صنفِ رکوع میں چار پائے شامل ہیں۔ جو سجدہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی قیام اور صنفِ سجدہ میں حشرات ہیں وہ بلند نہیں ہو سکتے۔ اس کی تمام مخلوق اسکی طاعت و تقدیس و تنزیہہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے ۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (دنیا کی ہر چیز ہی اس کی حمد و تسبیح میں منہمک ہے) پس اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی عبادت و طاعت کو تیرے لئے جمع فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے تمام مخلوق سے زیادہ کشائش و وسعت عنائت فرمائی۔ اگر تو قیام و رکوع و سجدہ کی حالت میں عبادت کرنا چاہے۔ تو ساری مخلوق کی عبادت و فضیلت تیرے لئے جمع ہو جائیں گی۔ پس اسی طرح تجھ پر نماز فرض کی گئی۔ اور اسے مخلوق کی تمام عبادات پر مشتمل کیا۔ فضیلت قیام و رکوع و سجدہ کی بدولت تو وجود کلیہ کا مقصود ٹھہرا۔ معبود کی مراد کی خاطر تو عبودیّت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ ہمارے مذکورہ قول کا یہ مطلب ہے یعنی خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامِ عَلٰی صُوْرَۃِ اِسْمِ مُحَمَّدٍ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور عالم کون کو اس کے طریق کی کیفیت پر پیدا فرمایا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملاء اعلیٰ شجرۃ الکون کو نفع پہنچانے۔ اس کی مصلحتوں کو استعمال کرنے اور اس کے حقوق کو قائم کرنے کے لئے مسخر ہیں۔ کیونکہ اس میں شاخِ محمدیؐ اور نور احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت ہے۔

سب سے پہلے جب شب عدم کی تاریکی سے روز وجود نے طلوع کیا تو شموس محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار مبارکہ جبین آدم علیہ السلام کے افق پر پوری تابانی سے چمک اٹھے۔ اور فرشتے اس کی تابانی کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑے۔

اور ان کی زبان بے اختیار ہو کر اس طرح گویا ہوئی مَلِیْکَ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ اَبَدًا (عرش کے بادشاہ اور مالک ہمیشہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) پس جب انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو انہوں نے سجدہ کیا۔ اور جب انہیں شہود کے ساتھ مخصوص کیا گیا۔ تو انہوں نے مشاہدہ کیا۔ پس انہیں اِس مشاہدے کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے کہا۔ کہ تم اس درخت کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔ وہ اس کا اصل ہے۔ اور یہ وہ سلطنت ہے جو اس کے لئے عقد و حل بھی ہے۔

اور البتہ تم میں سے بعض "سفرہ" ہیں۔ جو صحفِ مطہرہ کے لئے تگ و دو کرتے ہیں بعض بررہ (نیکوکار) ہیں۔ جو اس درخت کی سبزہ زاروں کے گرد گھومتے ہیں۔ بعض حَمَلہ (اٹھانے والے) ہیں جو ہر عامل کے عمل کو اٹھاتے ہیں۔ بعض تم میں سے کتّاب (لکھنے والے) ہیں، جو توبہ کرنے والوں کے آستانہ پر کھڑے ہیں۔ بعض تم میں سے ایسا وہ ہیں۔ جو نبی آدم کے چہروں سے گناہوں کے غبار کو استغفار کے پانی سے دھوتے ہیں۔ اور اہلِ زمین کے لئے استغفار مانگتے ہیں۔ بعض تم میں سے حَفَظَہ ہیں۔ جو ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور نفع و نقصان کرنے والی چیزوں کا شمار کرتے ہیں۔ بعض تم میں ایسے ہیں جو نبی آدم کے رزق کی سعی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے رازق کی اطاعت بفراغت کر سکیں۔

لہٰذا ملائکہ کا ایک گروہ ہواؤں کے ارسال پر متعین ہے۔ ایک گروہ بادلوں کے چلانے۔ ایک گروہ دریاؤں کے پانیوں کو جاری کرنے۔ ایک جماعت بارش کے نازل کرنے، ایک جماعت تمام اقطارِ عالم کی حفاظت کرنے اور ایک گروہ رات کے وقت یاد کرنے پر مقرر ہے۔ ایک گروہ دن کے وقت تسبیح میں مصروف رہتا ہے۔ فرشتوں کا ایک گروہ معقبات (پیچھے چلنے والا) کہلاتا ہے۔ جو انسان کے جوارح کو مہلک اشیاء سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک گروہ آفات کو دور کرنے۔ ایک گروہ

جنت کو آراستہ کرنے اور ایک گروہ دوزخ کو مشتعل کرنے پر مامور ہے۔

باب دوازدہم

آدم و ابلیس

المختصر یہ کہ جب گھر سجایا گیا۔ اور ارادۂ الٰہی کی شراب کا جام چلنے لگا۔ تو اس وقت سب سے پہلے اس مشہد و محضر میں ابلیس کو حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وہ لباسِ تسبیح و تقدیس میں ملبوس خراماں چل رہا تھا۔ لیکن ان ملبوسات میں خفیہ طور پر خباثت و فساد و آفات موجود تھیں۔ اور جب وہ اس محضر میں حاضر ہوا اور اس نے اس دلکش منظر کا مشاہدہ کیا۔ اور وہ جبلِ عرفان پر براجمان ہوا۔ تو اس نے ماء و طین کے حق کو گھٹیا اور حقیر سمجھا۔ پس اس نے انکار کیا۔ اور اپنی نافرمانی پر ڈٹا رہا۔ اور جب اُسے کہا گیا کہ تو اپنے جام شراب (استعداد) کی روشنی میں سجدہ کر۔ تو اس نے تکبر و غرور کی بدولت سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس نے جام عرفان سے منہ موڑ لیا۔ بایں وجہ وہ صحبتِ ملائکہ سے الگ ہو گیا۔ اور غم و وسواس کے سمندر میں ڈوب گیا۔ اور اس وقت جب اس نے اپنے علم کو ٹٹولا تو وہ گویا کھوٹے پیسے تھے۔ جس سے امید منفعت منقطع ہو گئی۔ اس طرح وہ تنہائی وجدانی کے جنگل میں اپنے گروہ و شریعت دونوں سے الگ ہو کر کرب و ضرب کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا۔ وہ غم کی زیادتی کے باوجود یہی پکار رہا تھا۔ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ (میں ضرور بنی آدم کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کو دنیا کی امید دلاتا رہوں گا۔ اور ان کو برائی کا امر کرتا رہونگا) اور ارادہ الٰہی اس کی پکار کا یہ جواب دیتا تھا کہ میں اپنے بندوں کے لئے ایک امن کا فرمان جاری کر دوں گا۔ اور جو میرے بندے ہوں گے ان پر تو غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

بعد ازاں ابلیس نے اللہ تعالےٰ سے مہلت مانگی کہ مجھے روزِ حشر تک زندہ رکھا

جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس التجا کو اس لیئے قبول فرمایا۔ تاکہ کفار کو دوزخ کیطرف لے جانے کی کمان اس کے ہاتھ میں رہے۔ اور گنہگاروں کے لیئے وہ عصار کا کام دے۔ تاکہ جب ان میں سے کوئی پھسل جائے۔ تو اس فعل کو ابلیس کی طرف منسوب کر کے یہ کہے۔ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ (بے شک ان کو شیطان نے بہکایا) اور اگر کوئی کار بد کرے۔ تو اس کو منسوب الی الشیطن کر کے یہ کہے۔ هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ (یہ کام شیطان کا ہے)

جب آدمؑ و ابلیس سے خدا تعالیٰ کی نافرمانی سرزد ہو گئی۔ هٰذَا يَتۡرُكُ بِمَا اَمَرَ رَبُّهٗ وَذَاكَ يَفۡعَلُ مَا نُهِيَ عَنۡهُ (ابلیس نے تو امرِ الٰہی سے روگردانی کی اور آدم علیہ السلام سے وہ فعل سرزد ہوا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا) تو اس معاملے میں قضا و قدر نے ان دونوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ کیونکہ یہ بات ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ کہ خود ہی امر کرے گا۔ اور اس کا ارادہ اس کے امر کے خلاف ہوگا۔ امر کے ماحصل کو ارادے نے چھین لیا۔ جب دونوں سے نافرمانی سرزد ہو گئی۔ تو ابلیس کو یہ حکم ہوا۔ کہ وہ حد سے آگے نہ بڑھے پس اس نے وہیں ڈیرہ جما لیا اور برعکس اس کے آدم علیہ السلام جنت کے مشتاق ہو کر اسے دن رات یاد کرنے لگے۔ اپنے کئے پر سخت نادم ہوئے۔ اور نادمین میں ہم نشین ہو کر۔ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا الخ (اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) کے نعرے بلند کرنے لگے اور قربِ الٰہی کی بشارت دینے والے نے غم کے دور ہو جانے کی خوش خبری فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمات سے چند کلمے القا فرمائے) سنائی۔

پس ابلیس کی یہ حالت ہوئی کہ لعنت کے بے لگام گھوڑے اس کی طرف دوڑے اور انہوں نے اسے ملعونیت اور شیطنیت کی خبر دی اور اس کو جنت سے ذلیل کر کے نکالا گیا۔

بعد ازاں فرمایا اس (جنت) سے نکل جاؤ اور مزید فرمایا "اِهۡبِطُوۡا" (یہاں سے اتر جاؤ) ، تو آدم علیہ السلام بہت گھبرائے اور قریب تھا کہ شدت اضطراب سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ۔ عرض کی ۔ اے میرے مولا ۔ ایک طرف تو میرے لئے نافرمانی کی تلخی تنہم سے جرعہ نوش ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ ہبوط کے حکم سے مجھے ناامیدی کی آگ میں بھی دھکیل دیا گیا ہے ۔ جواب ملا کہ کوئی بات نہیں ۔ اب تو تو دو گروہوں کے الگ الگ راستوں کے موڑ پر ملے گا فَرِيۡقٌ فِي الۡجَنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِي السَّعِيۡرِ (ایک گروہ جنت میں جائیگا ۔ اور ایک دوزخ میں) پس آدم علیہ السلام جنت سے دائیں طرف چل دیئے اور ابلیس بائیں طرف اور اس طرح ابلیس اصحاب الشمال کا اصل بن گیا ۔ کیونکہ آدم و ابلیس دونوں جنت میں اکٹھے اور ایک ساتھ رہے تھے ۔ پس صحبت کا اثر ہوا ۔ مزید برآں جنت میں آدمؑ کی معیت میں ابلیس نے سیر و تفریح بھی کی تھی ، اس طرح آدمؑ انسانؑ میں شمائیت (شر) کا اثر جاری و ساری ہو گیا ۔

اب جو انسان اپنے اصل یعنی آدم علیہ السلام کی صلب میں بائیں طرف تھا ۔ وہ تو ابلیس کے کامل اثر سے کافر ہو گیا ۔ ابلیس نے ان کو ان کی قربت کی بدولت اپنا مطیع بنا لیا ۔ اور جو لوگ اپنے اصل یعنی آدم علیہ السلام کی پشت میں دائیں جانب تھے ، وہ نورِ معرفتِ آدمؑ کی بدولت ظلمت ابلیس سے محفوظ رہے ۔ ابلیس کی دوری کی وجہ سے ان پر بالکل اثر نہ ہوا ۔ اور ان کے جواہر کے انوار و معارف اثرِ ابلیس سے محفوظ رہے ۔ البتہ اس قلیل صحبت اور ہمسائیگی کا اثر اصحاب الیمین پر بھی ہو گیا ۔ جس کی وجہ سے ان سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور یہ شیطان کا انسان کی بائیں طرف ہمسایہ رہنے کا اثر ہے ۔

اور سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے اثر کا دوسرا سبب واصل یہ بھی ہے کہ جب عزرائیل علیہ السلام کو خمیر آدمؑ کے لئے مختلف مقامات سے مٹی جمع کرنے کا حکم ہوا ۔ اور اس کام کے لئے وہ زمین پر نازل ہوئے تو اس وقت ابلیس زمین پر رہتا تھا اور اور اللہ تعالیٰ نے اسے

گروہ ملائکہ کی معیت میں زمین پر اپنا خلیفہ متعین کیا ہوا تھا۔ اور عبادت الٰہی کے لئے اس نے زمین پر عرصہ دراز تک زندگی بسر کی تھی۔ جب عزرائیل علیہ السلام نے حسب حکم تمام روئے زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی جمع کر لی۔ چونکہ ابلیس اس مٹی کو اپنے پاؤں تلے روندا کرتا تھا۔ بایں وجہ جب آدم علیہ السلام کی مٹی کو گوندھ کر اس سے صورت آدم بنائی گئی۔ اور تخلیق نفس کا موقعہ آیا تو نفس کو ابلیس کے قدموں کے نیچے روندی ہوئی مٹی سے تیار کیا گیا۔ اور دل کو اس مٹی سے تیار کیا گیا جو روندنے سے محفوظ رہی تھی۔

لہٰذا ابلیس کے قدموں سے لگی ہوئی مٹی سے نفس نے خبث اور اوصاف ذمیمہ کا اکتساب کیا۔ یہیں سے ہی نفس شہوات کی آماجگاہ بن گیا۔ پس نفس پر ابلیس کا غلبہ وعیش اس مٹی کو پائمال کرنے کی بدولت تھا۔ یہیں سے ابلیس نے اپنا تکبر ظاہر کیا اور کہا کہ میں اسے سجدہ کروں جو میری پائمال کی ہوئی مٹی سے بنایا گیا ہے۔

اور اسی لئے اس نے اس وقت اپنے عنصر کے جوہر یعنی آگ کی طرف نظر کر کے تکبّر کا دعویٰ کیا۔ اور ساتھ ہی وہ مائل بہ تکبّر ہو گیا۔ اس بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ شیطان کے قدموں کے نیچے سے پیدا کی گئی چیز (نفس) کی پیروی نہ کرو۔

باب سیزدہم

فیضانِ محمدیؐ

جاننا چاہیئے اصل بات یہ ہے کہ جب شجرۃ الکون نے ظہور پکڑا تو اس سے تین شاخیں نمودار ہوئیں۔ ایک شاخ ذات الیمین۔ دوسری ذات الشمال اور تیسری مستقیم قویم جو شاخ سابقین قرار پائی۔

اور روحانیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں شاخوں اور ان کے متعلقات کو ان کی

استعداد کے مطابق مستفیض فرمایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

پس اصحاب الیمین نے ہدایت روحانی۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمل بالسنۃ اور شریعت مطہرہ کا حظ اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (وہ لوگ جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں) اور سابقون نے روحانی قربت۔ ذاتی الفت اور خصوصی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (پس جو لوگ ان لوگوں یعنی نبیوں۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا کے ساتھ ہونگے اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں)۔

اور اصحاب الشمال کو آپ کی سدحانیت سے یہ حصہ ملا کہ دنیا میں ان کو حمایت حاصل ہوئی اور وہ فوری سزا سے بھی پرامن رہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ کفار کو اس حالت میں سزا دے کہ آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں)۔

باب چہاردہم

مقامِ محمدیؐ

پس جب آپ عالم مثال سے عالم وجود میں جلوہ فگن ہوئے۔ تو شجرۃ الکون میں آپ کے وجودِ اقدس کی شاخ مستقیم قویم ظاہر ہوئی اور پس جب اس شاخ کی بنیاد مضبوط ہو گئی تو اس سے فرع ظاہر ہوئی۔ اور آپ کی سیاست کے متولی نے یوں ندا کی فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (پس جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا۔ اسی پر قائم رہ) پس آپ کی شان استقامت اور آپ

کا مرتبہ دار المقام ٹھہرا۔ مرتبہ استقامت پانے کے بعد آپ کو مینا سے فارغ ہوئے۔ اور آپ اِس مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہوتے ہوئے اس منزل دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا

مُقَامِ اوّل:۔ یہ دنیا میں آپ کے وجود مقدس کا مقام ہے۔ چنانچہ فرمایا یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (اے چادر اوڑھنے والے اٹھا اور لوگوں کو عذاب سے ڈرا)

مُقَامِ ثَانِی:۔ آخرت میں آپ مقامِ محمود سے مشرف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود میں اٹھا لیگا۔

مُقَامِ ثَالِث:۔ جنت میں آپ مقامِ خلود سے نوازے جائیں گے۔ اس بارے میں فرمایا۔ اَلَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَۃِ مِنْ فَضْلِہٖ (وہ ذات جس نے ہمیں اپنے فضل سے دار المقامہ (دار الخلود) یعنی جنت میں بسایا۔

مُقَامِ رابع:۔ چوتھا مقام شہود ہے۔ یہ رویتِ حق کے لئے مخصوص ہے اور اُسے مقامِ قابَ قوسین بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ صمدی کے قریب ہوئے اور راہ پائی۔ پس آپؐ اللہ تعالیٰ سے دو کمانوں کے باہم ملنے کے اندازے سے یا اِس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے)

لہٰذا آپ کی شخصیت دنوّ و علو و شہود کے ساتھ مخصوص ہو گئی۔ کیونکہ تمام کائنات کا مقصود آپ ہی ہیں۔ بایں ہمہ اگر وجود کو شجر تسلیم کیا جائے تو آپؐ اس کے ثمر و جوہر ہونگے پس ثمر دار درخت ثمر میں موجود دانے کی وجہ سے پرثمر ہوتا ہے اور اسی دانے سے ہی اس کا اصل پھوٹتا ہے۔ اور جب اس دانے کو زمین میں بو کر اسے مناسب غذا و پرورش فراہم کی جائے تو پھر اس سے ایک درخت نکلے گا اور اس سے شاخیں اور پتے نمودار ہونگے اور ہر شاخ سے اور شاخیں نکل کر پھلدار ہونگی۔ اب جب ہم اس پرثمر درخت کو دیکھیں گے تو اسی بیج کا پتہ ہمیں ہی نظر آئے گا۔ جس سے یہ درخت پیدا ہوا تھا۔

دانہ شروع میں مانند نطفہ ہوتا ہے۔ پھر وہ بشکل شجر ظاہر ہوتا ہے۔ اور بعد ازاں وہ درخت دانے کو نئے رنگ میں ظاہر کرتا ہے۔ پس اسی طرح آپؐ کے بطون کو آپ کے سابق معنی اور اخفیٰ کے طور پر شمار کیا جائے گا۔ اور آپ کے ظہور کو آپ کی صورتِ لاحقہ اور شہرت کی صورت میں سمجھا جائیگا۔ آپ کے اس قول مبارک کا بھی یہی مطلب ہے۔ یعنی کُنْتُ نَبِیًّا اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اس درخت کی صورت و معنیٰ کے مظہر ٹھہرے پس آپ ہمیشہ زبانِ قدیم میں مذکور اور قرطاسِ عدم میں منشور ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی تاجر اپنے بستر اور خزانے میں تہہ بہ تہہ اوپر نیچے ترتیب وار رکھ دے۔ اب جو کپڑا اس نے سب سے پہلے رکھا تھا۔ وہ سب سے آخر میں نکلے گا۔ اس طرح حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں سب سے اوّل اور ظہور میں سب سے آخر ہیں۔

جب تقدیر کے مقصار نے شاخ ہدیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت و سیاست کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اسے جوہر احسان کی غذا سے اور شراب محبت کے پیالے سے مستفیض فرمایا۔ اور نازک حالت میں اس کی حفاظت کی اور وہ کثرت و فراوانی سے لہلہانے لگی۔ اور اس کی خوشبوؤں سے گلشن ہستی معطر ہو گیا۔ پس یہ خوشبوئیں عارفین کی ارواح کیلئے غذا مومنین کی نظروں کا نور۔ محبوں کے آستاں کا پر خوشبو سبزہ۔ عاصیوں کی مجلس کی بساط تشنہ لب گنہگاروں کی فریاد بن گئی۔ اور اگر کبھی اصحاب الشمال کی طرف سے خطاؤں کی بادِ سموم یا گناہوں کی بادِ صرصر چلنے لگے۔ تو وہ شاخ جس کو اللہ تعالیٰ نے بطریق احسن نشوونما فرمایا ہوتا ہے۔ وہ بھی مائل بشمائل ہو کر برے عمل کی طرف راجع ہو جاتی ہے۔ بداعمالی کی طرف رجوع کرنے سے اس کی سبزی تو متاثر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا اصل ارضِ ایمان میں مضبوط و مستحکم رہتا ہے۔ مگر جو نقصان شاخ میں بصورت تبدیلی ہوتا ہے۔ اگر گنہگار شخص توبہ کے

ذریعے اس کا تدارک کرے۔ تو (بھٹکی ہوئی) شاخ پھر طریقۂ مستقیم کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اور ماءِ استغفار نوش کر کے وہ دوبارہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ شاخ طریقۂ استقامت پر سرسبز رہتی ہے۔ پریشانی کے بعد دوبارہ اس کے ایمان کی شاخ چمک اٹھتی ہے۔ اور شفیع و صادق خطیب جس کے بارے اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى (قسم ہے ستارے کی کہ جب وہ گرتا ہے۔ کہ تمہارے صاحب (حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) نہ گمراہ ہوئے اور نہ ہی سرکش اکھڑا ہوتا ہے۔

اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بے شک شاخِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کی روحا سے مادۂ ارواح اور اس کی جسمانیت سے مادۂ اجسام حاصل کیا گیا ہے۔

باب پنجم

سرِّ روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ کے مادۂ روحانیہ کے جود و کرم کا اشارہ اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ سے آگے لفظ "مِصْبَاحٌ" آتا ہے مصباح سے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔ اور مصباح کو مشکوٰۃ الوجود قرار دیا گیا ہے۔ پس کائنات کو مشکوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور آقا و مولا سرکارِ دو عالمؐ کے زجاجہ (شیشے) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ آپؐ کے قلب کے نور کو مصباح سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پس آپ کا نورِ باطن آپ کے ظاہر پر اس طرح چمکا۔ جس طرح مصباح زجاجہ میں تاباں ہے۔ لہٰذا نورِ مصباح مانندِ نار ہو گیا اور زجاجہ کی صفائی کی بدولت وہی نار نور بن گئی اور ہر مخلوق نے اپنی استعداد، اتباع، صحبت اور عمل بالشریعہ کے مطابق حظ اٹھایا۔ اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

مَآءً بِقَدَرٍ (اور اس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی اتارا) کیونکہ اس آیت مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو آسمان سے ایک اندازے سے اترتا ہے۔ جس طرح پانی ہر چیز کی زندگی کا سبب ہے۔ اسی طرح آپؐ کا نورِ پاک ہر ایک قلب کے لئے باعث حیات ہے۔
اور وجود باجود ہر چیز کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ پھر آپؐ کے نورِ مقدس سے لوگوں پر منفعتیں ظاہر ہوئیں اور مذاہب کے ذریعے اِن کو آپ کی برکات سے جو بھی میسر آیا۔ پس اس نے دلوں کو بڑوں چھوٹوں اور اعلیٰ وادنیٰ کے لئے اس کی وادیاں بنایا۔ اور ہر وادئ قلب نے اپنی استعداد کے مطابق اس پانی کی مقدار کو جو سیل کی طرح اس کی طرف رواں تھا برداشت کیا۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (ہر ایک گروہ نے اپنے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانیت کو اس جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو صاف پانی کے اوپر ہوتی ہے اور جلدی زائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانیت یعنی آپ کی ظاہری کیفیت مثلاً کھانا، پینا، نکاح کرنا۔ لوگوں کے ساتھ ان کے احوال وافعال میں شریک ہونا سب زائل ہو گیا۔ اور جو چیزیں لوگوں کو نفع دینے والی تھیں یعنی آپ کی نبوت ورسالت وحکمت وعمل ومعرفت وشفاعت اب تک زمین پر باقی ہیں۔ اور اسی طرح (ابدالآباد تک) رہیں گی۔ اسی طرح آپؐ کی ولادتِ مبارکہ میں بھی یہی حکمت ہے۔ کیونکہ آپ کو کثیف ولطیف مادوں سے پیدا کیا گیا ہے تاکہ آپ کامل الخلق اور کامل الوصف ہو جائیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آپکو ضدین یعنی روحانی وجسمانی دو نوعیتوں میں تخلیق کیا۔
آپ کو بشری اور جسمانی حالت اس لئے عطا فرمائی گئی تاکہ آپ بشر سے ملاقات کریں اور صورتوں کا جائزہ لے سکیں۔ اور آپ میں ایک ایسی طاقت رکھی گئی۔ جس کی بدولت آپ بشر سے ملاقی ہو کر مادہ بشریت کے ذریعے اس کی امداد کریں۔ اور

ان کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیں۔ اور آپ انہیں میں گھل مل جائیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں بھی تمھاری طرح بشر ہوں) یعنی تمہاری جنس سے ہوں اور تمھاری طرح کھاتا پیتا ہوں کیونکہ اگر آپ اپنی روحانی ملکی اور نورانی ہیئت میں ان کی طرف تشریف لاتے۔ تو آپ کی قربت کی کوئی بھی استطاعت نہ رکھتا۔ اور نہ ہی آپ کے سامنے آسکتا۔ بایں وجہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (بے شک تمھارے پاس تمہیں میں سے رسولِ پاک تشریف لائے)

پھر آپ میں قوتِ روحانی ظاہر فرمائی۔ اس کے ذریعے آپؐ عالم الروحانیں اور ملکوت العلویین کا سامنا فرماتے تھے۔ گویا اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی برکت و رحمت مکمل ہو جائے اور روحانی لوگ آپؐ کی بشریت کا مشاہدہ بھی کر سکیں۔

پھر آپؐ میں تیسرا وصف جو پہلے دونوں سے بالکل الگ تھا ظاہر فرمایا یعنی آپ میں وصفِ ربانی اور سرِّ الٰہی کو ہویدا فرمایا تاکہ آپؐ صفاتِ ربوبیت کے تجلّی کے وقت ثابت قدم رہیں اور حضرتِ الٰہیہ کے مشاہدے کی طاقت رکھ سکیں۔ انوارِ فردانیت کے اسرار کو پاسکیں۔ اشاراتِ قدسیہ کے خطاب کو سن سکیں۔ نفحات الرحمانیہ کے عطر کو سونگھ سکیں۔ اور تابان و تیسریں مقامات کی طرف عروج فرما سکیں۔ اور آپؐ کے قول کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ (میں تمہاری طرح نہیں ہوں) نیز فرمایا۔ لِیْ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ غَیْرُ رَبِّیْ سُبْحَانَہٗ (میرے لئے ایک ایسا وقت ہے۔ جس میں میرے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی گنجائش نہیں ہوتی) پس یہ ایک ایسا مقام ہے جو صرف حضور سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہی مختص ہے۔ کوئی مقرب فرشتہ اور نبی و مرسل اس مقام تک پہنچ نہیں پاتے۔ اس پیالے کو سوائے آپ کی عُدیِ آراستہ کے کوئی بھی چکھ نہیں سکتا۔ اور یہ مقام صرف اور صرف آپ کیساتھ ہی مخصوص ہے۔ جو ان مذکورہ چار مقامات میں سے ایک ہے۔ باقی تین مقامات

دوسری مخلوق کے لئے کرامت کا درجہ رکھتے ہیں تاکہ ہر ایک انسان اپنی قسمت کے مطابق حظ اٹھائے۔ رہا مقام محمود تو وہ عالم صورت کے ساتھ مخصوص ہے اور عالم صورت کا دنیا میں عالم ملک سے تعلق ہے۔ پس وجود آپ کی طمانیت اور آپ کی رسالت و نبوت کی برکت سے انہیں نوازتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا) اور آپ کو یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (اے رسول جو آپ کی طرف اتارا گیا وہ لوگوں تک پہنچا دے) کے منبر پر جلوہ فگن فرمایا گیا۔

پس آپ دعوت میں لوگوں کے مجیب، نصیحت میں اُن کے خطیب، بے چینی میں ان کے طبیب اور محبت میں ان کے نصیب ہیں۔ اور یہ مقام اہلِ دنیا کے ساتھ مخصوص اور رہا دوسرا مقام جو مقام محمود ہے جس کا تعلق قیامت کے ساتھ ہے۔ پس یہ مقام ملاء اعلیٰ کا نصیب ہے۔ وہ آپ کے مقام کی برکت اور جمالِ اقدس کے مشاہدہ اور آپ کے کلام مبارک کے سماع کی بدولت اس مقام تک رسائی حاصل کریں گے يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (یاد کر اس دن کو جب رُوح الامینؑ اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہونگے اس وقت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی کلام و خطاب کرنے کی اجازت ملے گی۔ لہٰذا آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اس وقت فرشتے آپ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہونگے۔ اور ساری مخلوق وہیں موجود ہوگی۔ آپ اپنے خطبے کا آغاز اپنی اُمت کی شفاعت کے ذکر سے فرمائیں گے اور میری امت میری امت کی ندا فرمائیں گے تو جواب ملے گا میری رحمت، میری رحمت۔

تیسرا مقام مقام مشہود ہے۔ جو دار الخلود (جنت) میں ہوگا تاکہ اہل جنت

آپ کے مشاہدے سے مشرف ہو سکیں۔ آپ کے دیدار عالی مقام سے بہرہ ور ہو سکیں اور قصورِ جنت آپ کی تشریف آوری سے معظم ہو جائیں اور آپ کے قدوم میمنیت لزوم سے مسرت پیدا ہو اور نورِ جنت میں بہار آ جائے اور آپ کی تشریف آوری سے تمام حجابات رفع ہو جائیں اور شرور و فتن ختم ہو جائیں۔

چوتھا مقام مقامِ رویتہ المعبود ہے جسے مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی بھی کہتے ہیں۔ جو آپ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شجرۃ الکون کا ثمر۔ صدفِ وجود کے موتی اور سِرّ اور کلمۂ کُن کے معنیٰ ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے صرف درخت کا وجود ہی مطلوب نہ تھا۔ بلکہ فی الحقیقت ثمرِ درخت مقصود تھا۔ لہٰذا شجرۃ الکون کی حفاظت و پرورش ثمر کی فراہمی اور اسکے پھولوں کی شگفتگی کے لئے مختص تھی۔ پس اس کی مراد یہی تھی کہ سب ثمر کو ثمر رکھنے والے کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور اسے عروسِ حضرت القربتہ کے پاس پہنچایا جائے تو ندیم بارگاہِ کبریا بھی اس کے جلوے سے بہرہ یاب ہوں۔

بابِ شانزدہم

سِرِّ معراجِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

پس ایک رات آپ سے کہا گیا کہ اے ابو طالب کے دُرِّ یتیم اٹھیے۔ کیونکہ ایک ایسی ہستی تیری دید کی طالب ہے۔ جس نے تیرے لئے جواہر کا ذخیرہ اکٹھا کر رکھا ہے۔ پھر آپ کی طرف مالکِ حقیقی کا خاص خادم بھیجا گیا جب وہ حاضرِ خدمت ہوا۔ تو اس وقت آپ بستر پر آرام فرما رہے تھے۔ اور قاصد نے آپ کو بیدار فرمایا۔ آپ نے قاصد جبرائیل امین سے فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔

انہوں نے عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھئے اس وقت مجھے این (کہاں) کی خبر نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ بلکہ میں اللہ تعالٰے کا رسول ہوں۔ اور آپ کی خدمت میں جملہ خدام کے ہمراہ بھیجا گیا ہوں۔ اور ہم اللہ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔

آپؐ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبرائیل۔ بتایئے کہ میرے بلانے کا کیا مقصد ہے۔ جبرائیل امینؑ نے جواب دیا کہ آپ ارادۂ الٰہی کی مراد اور مقصود مشیت ایزدی ہیں۔ تمام عالم کون آپ کے لئے ہے اور اللہ تعالٰی آپ کی مراد ہیں۔ آپ کائنات میں برگزیدہ شخصیت اور آپ جام محبت کی شراب طہورہ ہیں آپ دُرِ صدف۔ ثمر شجر، شمس المعارف، بدر اللطائف ہیں۔ صرف آپ کے رفعت مقام کی خاطر اس دار الدنیا کو بنایا گیا ہے۔ اور یہ جمال کائنات صرف آپ کے وصل کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اور جام محبت کو صرف آپ کے پینے کے لئے مزین کیا گیا ہے۔ پس آپؐ اٹھیں کیونکہ یہ تمام دسترخوان آپ کی تکرمت کی خاطر بچھائے گئے ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ آپ کی تشریف آوری کی خوشخبری ایک دوسرے کو دے رہے ہیں۔ اور کروبیاں آپ کی آمد کی خبر سن کر مسرت و شادمانی سے بجوم رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے آپ کی روحانیت کا شرف حاصل کر لیا ہے۔ اور اب وہ آپ کی جسمانیت کے دیدار سے بھی حظ اٹھانا چاہتے ہیں۔ پس آپ نے عالم ملک کی طرح عالم ملکوت کو بھی اپنے فیوضات سے مشرف فرمایا۔ اور زمین بطحا کی مانند آپ نے اپنے قدم مبارک سے سطح آسمان کو بھی بہرہ ور فرمایا۔

پھر آپؐ نے جبرائیلؑ امین سے پوچھا کہ ذات کریم اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش فرمائے گی۔ انہوں نے عرض کیا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ تاکہ اللہ تعالٰی آپ کو پہلے اور پچھلے (اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ) کے الزامات سے پاک فرما دے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تو میرا انعام ہے۔ میرے عیال و اطفال کیلئے

کیا العام ہے۔ فَاِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْ اَکَلَ وَحْدَہٗ (کیونکہ سب سے بُرا شخص وہ ہے جو اکیلا کھاتا ہے) جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (اللہ تعالیٰ تجھے اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ اس پر راضی ہو جائیں گے۔

پھر آپؐ نے رُوح الامین سے فرمایا۔ اب میرا دل خوش ہو گیا ہے۔ چلیئے اب میں اپنے رب کی طرف فرحاں و شاداں چلتا ہوں۔ پس براق پیش کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے لئے ہے۔ نہیں جبرائیلؑ نے فرمایا۔ یہ عشاق کی سواری ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میرا شوق میری سواری۔ میری آرزو میرا زادِ راہ اور میری رات میری دلیل ہے۔ میں صرف انہیں کے ذریعے ذاتِ کریم تک پہنچونگا۔ یہی چیزیں مجھے اس کا راستہ بتائیں گی۔ بتائیے جس شخص نے اس کی محبت کے بوجھوں اور اس کی معرفت کے پہاڑوں اور اس کی امانت کے رازوں کو جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑ قاصر رہے ہوں۔ اٹھایا ہؤا ہو۔ بھلا یہ کمزور و ناتوان حیوان براق اس کا بوجھ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ اے جبرائیل تو ہی بتا کہ تو مجھے اس کا راستہ کیسے بتائے گا۔ کہ تُو تو سدرۃ المنتہیٰ تک کا راہی ہے۔ میں ذات لامنتہیٰ کا محضور ہوں۔ اے جبرائیل تیری مجھ سے کیا نسبت ہے جبکہ میرا اپنے رب کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے۔ جس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہے۔ جب میرے محبوب (اللہ تعالیٰ) کی شان لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ ہے۔ تو میں بھی تمہاری طرح نہیں ہوں۔ سواری تو مسافت کو طے کرنے کے لئے اور رہبری جہات کا راستہ بتانے کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہ باتیں حوادث کا محل ہیں میرا محبوب حوادث و جہات سے منزہ و مبرّا ہے۔ اس کی طرف کوئی بھی حرکات سے (چل کر) نہیں جا سکتا۔ اس کے راستے کی منازل کی راہنمائی اشارات سے ناممکن ہے۔ جس نے دنیائے معانی کو پہچان لیا۔ گویا اس نے میرے معادن کا کھوج

لگالیا۔ اے جبرائیل چلیئے۔ میرا قرب اس کے ساتھ وَاِذْقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ہے۔ اس سے روح الامین پر جلال و ہیبت طاری ہوگئی۔ اور وہ آپؐ کے حضور عرض کرنے لگا کہ مجھے تو صرف آپ کی خدمتگزاری اور حاشیہ برداری کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اور براق کو آپ کی مکرمت کے اظہار کے لئے حاضر کیا گیا ہے کیونکہ بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ جب وہ اپنے حبیب کی ملاقات یا تقرب کی دعوت فرماتے ہیں۔ تو ان کی عزت و تکریم کے ظہور کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے ان کی طرف خاص خدام اور عمدہ سواریاں بھیجتے ہیں۔ تاکہ وہ ان پر سواری کریں۔ لہٰذا ہم بھی آپ کی خدمتِ اقدس میں بادشاہوں کی عادات اور راستوں کے آداب کو پیش نظر رکھ کر حاضر ہوئے ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرے کہ وہ اللہ کی طرف قدموں سے چل کر پہنچ سکتا ہے۔ وہ خطا پر ہے جو انسان یہ سمجھے کہ وہ ذلت پردوں میں پوشیدہ ہے تو وہ عطائے الٰہی سے محروم ہے۔

یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاء اعلیٰ آپ کے انتظار میں ہیں اور جنت کے دروازے وا کر دیئے گئے ہیں۔ اس کی فرودگاہوں کو مزین کیا گیا ہے۔ اس کی حوروں کو سجایا گیا ہے۔ اس کے مشروبات کو مصفیٰ کیا گیا ہے۔ تمام فرحتیں آپ کے قدوم میمنت لزوم کیلئے اور تمام مسرتیں آپ کے ورودِ مسعود کی بدولت منائی جا رہی ہیں۔ یہ رات آپ ہی کی رات ہے۔ اور یہ سلطنت صرف آپ ہی کے لئے ہے۔ اس رات کی تخلیق سے ہی میں آپ کا منتظر ہوں۔ جس نے بے حیلہ آپ کو اپنا وسیلہ بنا لیا ہے اور اپنے وسیلے کو منقطع کر لیا ہے۔ میں اس باب میں عقل سے بیگانہ فکر سے غافل اور سر سے سرگشتہ ہوں۔ جانسوزی میں مشغول ہوں۔ غمی و دلخراشی بہت بڑھ چکی ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری حیرت نے

ب مجھے اس کے ازل و ابد کے میدانوں میں ڈال دیا ہے۔ پس جب میں نے میدانِ اوّل یعنی ازل کا چکر لگایا۔ تو میں اس کی ابتدا کو معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ اور جب میں نے دوسرے میدان کی طرف رجوع کیا اور دیکھا کہ اس کا آخر اس کا اوّل ہی نکلا۔ پھر میں رفیقِ اعلیٰ کی جستجو کے لئے رفیق سفر کا متلاشی ہوا۔ دورانِ سفر میکائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تو اُس نے کہا تو کہاں کا قصد کئے ہوئے ہے۔ یہ راستہ مسدود ہے۔ اس کے دروازے وغیرہ مغلق ہیں۔ وہ محدود زمانوں میں نہیں سما سکتا۔ اور نہ ہی محدود مکانوں میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا۔ اے میکائیل تیرا اس مقام پر ٹھہرنے کا کیا مقصد ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں سمندروں کے پانیوں کی مقادیر کی پیمائش۔ بارشوں کے نزول اور اسے اقطارِ عالم میں ترسیل کرنے میں مشغول ہوں۔ مجھے اس بات کا تو علم ہے کہ کڑوے اور کھارے پانی کے دریاؤں کی کتنی وسعت ہے اور وہ کتنی جھاگ پیدا کرتے ہیں۔ مگر میں نمائشِ احدیت اور تعدادِ فردیت کے علم سے بے بہرہ ہوں۔

پھر میں نے اس سے سوال کیا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کہاں ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ کہ ان کو مکتب تعلیم میں داخل کیا گیا ہے۔ وہ لوحِ محفوظ کی پیشانی ورخ کے صفحے کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ وہ اس سے مبروم و منقوص امور کو تحریر کر رہے ہیں۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح منتظم ہیں۔ جو لوح محفوظ کو پڑھ رہے ہیں ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یہ جاننے والے اور غالب کا اندازہ ہے) اور اسرافیل علیہ السلام زمانۂ تعلیم میں اپنے معلم سے حیا کی وجہ سے اپنے سر کو اوپر نہیں اٹھاتے پس ان کی آنکھیں اوپر دیکھنے سے مقصور اور ان کا قلب فکر سے مخمور ہے۔ وہ نفخ صور تک اسی حالت میں رہیں گے۔

بعد میں میں نے میکائیل علیہ السلام سے کہا چلیئے عرش مجید سے صراطِ حق

کے بارے میں پوچھیں۔ جو معلومات اس سے میسر آئیں اسے تحریر کریں جب عرش معلیٰ نے ہماری گفتگو کو سنا۔ وہ خوشی سے جھومنے لگا۔ وہ کہنے لگا لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ وَلَاتُحَدِّثْ بِهٖ جَنَانَكَ (اس باب میں تو اپنی زبان کو مت ہلا۔ اور نہ اپنے دل میں اس بارے میں خیال کر) کیونکہ یہ ایسا راز ہے جو کبھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایک ایسا پردہ ہے جس کے وراء کوئی دروازہ نہیں کھلتا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ میں کون ہوں جو اس بارے میں لب کشائی کروں۔ اور اس کا پتہ لگا سکوں۔ کہ وہ کہاں ہے میری حقیقت صرف یہ ہے کہ میں دو حرفوں کی پیداوار ہوں اور کل میں بے نشان تھا۔ پھر اس نے مجھے دو حروف سے ظہور بخشا۔ بھلا جو چیز کل معدوم محض مفقود صرف ہو وہ ذات پاک کا کھوج کیسے لگا سکتی ہے۔ یا وہ اس کی معرفت رویت کیسے حاصل کر سکتا ہے جو ہمیشہ سے موجود تھا۔ اور نہ اس کا باپ اور نہ ہی اس کا بیٹا ہے۔ وہ استواء میں مجھ سے سابق ہے۔ اس کے غلبہ نے مجھے مقہور کیا ہوا ہے۔ اگر اس کا استواء نہ ہوتا۔ تو میں مستوی نہ ہوتا۔ اور استیلائے ذات نہ ہوتا۔ تو میں کبھی ہدایت نہ پاتا۔ آسمان کی طرف اس کا استواء صرف اس وقت تھا۔ جب آسمان ابھی دخان تھا۔ پھر عرش پر اس کا استواء قیام برہان کی بدولت ہے۔ ورنہ مجھے اس کی عزت کی قسم کہ وہ مستوی تو ہے۔ لیکن میں یہ بات بالکل نہیں جانتا کہ کس چیز کے ساتھ اس کا استواء ہے بلحاظ قرب میں اور ثریٰ دونوں برابر ہیں جس پر وہ حاوی ہے میں اس کا ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے وسیع علم پر میرا احاطہ ہے۔ میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں اور بندہ کو اس کی نیت کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ آپ کے سامنے میں اپنی کہانی سناتا ہوں اور میں اس اندوہ کا شکوہ کرتا ہوں اور میں اس کی رفعت تکریم اور قوت قدرت کی قسم کھاتا ہوں کہ اس نے مجھے پیدا کر کے بحر احدیت میں غرق کر دیا اور ابدیت کے میدان میں سرگشتہ کر دیا۔ کبھی وہ مجھے ابدیت

کے مشرق سے طلوع کر کے مدہوش کر دیتا ہے۔ اور کبھی اپنے قرب کے موقفوں میں لا کر محبت کرتا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی عزت کے حجابات میں پوشیدہ کر کے مجھے وحشت میں ڈال دیتا ہے۔ اور کبھی وہ اپنے لطف کی سرگوشیوں سے میری مناجات سن کر خوش ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ جامِ محبت سے میرے ساتھ مواصلت کر کے مجھے مست بنا دیتا ہے۔ جب اس کا شوقِ دیدار مجھے ستاتا ہے تو جواب میں لَنْ تَرَانِی کی آواز سنتا ہوں۔ میں اس کی ہیبت سے پگھلنے لگتا ہوں۔

اور تجلیٔ عظمت کی بدولت مانند کلیم اللہ بے ہوش ہو کر گر جاتا ہوں اور جب میں وجدانی کیفیت سے باہر نکلتا ہوں۔ تو مجھے کہا جاتا ہے کہ اے عاشق! یہ جمال محفوظ اور یہ حُسن مستور ہے۔ کیونکہ اس جمال کو سوائے اس حبیب پاک کے جو برگزیدہ شخصیت ہیں۔ سوائے اس دُرِ یتیم کے جس کے ہم مربّی ہیں اور کوئی نہیں دیکھ سکتا جب تیرے گوش میں سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی) کی آواز پہنچے۔ تو تو (ہماری طرف ان کے عروج کے) راستے میں کھڑا ہو جا۔ ممکن ہے کہ تو اس ہستی کی زیارت کرے جو ہمارا دیدار کریگا۔ اور تو اس شخصیت کا مشاہدہ کرے جو ہمارے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جب عرشِ معلیٰ آپ کے دیدار کا مشتاق ہے۔ تو میں کس طرح آپ کا خادم نہ بنوں۔ پھر آپ مرکب (براق) پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ پھر مرکب ثانی (معراج) کے ذریعے پہلے آسمان پر پہنچے۔ پھر آپ مرکب ثالث (ملائکہ) کے ذریعے ساتویں آسمان تک پہنچے۔ پھر آپ مرکب رابع (روح الامین) کے ذریعے سدرۃ المنتہیٰ تک گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہیں رک گئے۔

حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرائیلؑ! ہم آج رات آپ کے مہمان ہیں۔ میزبان کا مہمان سے علیحدہ ہونا مناسب نہیں۔ کیا ایک دوست دوسرے

دوست کو یہاں لاکر تنہا چھوڑ سکتا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ جناب آپ میرے مہمان نہیں بلکہ آپ قدیم وکریم کے مہمان ہیں۔ میں اگر یہاں سے انگشت بھر بھی آگے بڑھوں گا تو خاکستر ہو جاؤنگا وَمَامِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر مقام ہے) جس سے وہ آگے نہیں جا سکتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا۔ کیا اللہ تعالیٰ سے تجھے کوئی احتیاج ہے۔ فرمایا۔ جی ہاں ایک حاجت کا طالب ہوں۔ پس جب آپ محبوبِ حقیقی جو لامنتہیٰ ہے کے ساتھ ملاقی و واصل ہوں اور محبوب اس طرح گویا ہو کہ لو یہ تو ہے اور یہ میں ہوں (اب کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہے) تو آپ اس وقت میرا ذکر ضرور فرمائیں۔

پھر جبرائیلؑ امین ستر ہزار حجاباتِ نور کو چیر کر آگے بڑھے۔ وہاں پانچواں مرکب یعنی رفرف جو سبز نورانیت رکھتا تھا اور مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ حاضر خدمت ہوا۔ آپ اس پر سوار ہو کر عرش معلیٰ تک پہنچے۔ عرش معلی دامن گیر ہو کر زبانِ حال سے عرض کرنے لگا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کب تک مشروب خالص نوش فرماتے رہیں گے جبکہ آپ کے لئے وقت نہایت ہی مناسب و موزوں ہے۔ آپ فوراً بارگاہِ ایزدی اور آستانہ سرمدی پر تشریف لے جائیں۔ کبھی آپؐ کا محبوب آپ کے شوق میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ کبھی اپنی بارگاہ کے ندیموں کے پاس آپ کی خاطر نزول فرماتا ہے اور کبھی وہ آپؐ کو اپنی مہربانی کے رفرف پر مرکوب فرماتا ہے یعنی سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی) کبھی وہ آپ کو جمالِ احدیت کا مشاہدہ کراتا ہے یعنی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو آپ نے دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی) اور کبھی وہ آپؐ کو جمال صمدانیت کا جلوہ دکھاتا ہے

یعنی مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (وقت مشاہدہ آپ کی چشم مبارک دوسری طرف مائل نہیں ہوئی۔ اور کبھی وہ آپ کے لئے اپنی ملکوتیت کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے یعنی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جو اس کی مرضی تھی وحی نازل فرمائی) اور کبھی وہ آپ کو حضرت القدس میں اپنے قرب سے مشرف فرماتا ہے یعنی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (پس دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا)

یہ وقت تشنگی دیدارِ ذات اور فریاد رسی کا ہے۔ میں تو حیران و سرگرداں ہوں کہ کس طرف سے اس کی راہ لوں، حالانکہ اس نے مجھے ساری کائنات سے بڑا بنایا لیکن میں سب سے زیادہ خوف زدہ ہوں۔ اپنی تخلیق کے وقت اس کے رعب و جلال سے کانپنے لگا تھا۔ پھر اس نے میرے ایک پائے پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ رقم فرمایا تو میری ہیبت اور بڑھ گئی اور ارتعاش و ارتعاد پیدا ہو گیا میں اسی حالت تغیر میں ہی تھا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مرقوم ہوا۔ بس اسی وقت حالت سکون طاری ہو گئی اور طمانیت میسر آئی گویا کہ آپؐ کا اسم مبارک میرے قلبِ حزیں کے لئے اماں۔ میرے سر کیلئے طمانیت، میرے قلق کے لئے حرزِ جاں ہے۔ تو جب آپ کے اسم مبارک میں اتنی برکت ہے۔ تو پھر آپ کی نظر تیریں کے کیا کہنے۔ میری طرف نظر التفات فرمایئے آپؐ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ مہربانی فرمایئے اور اس رات بالضرور مجھے حظِ وافر سے نوازیئے اور یہ کہ آپ نارِ جہنم سے میرے لئے برأت کی گواہی دیں۔ کیونکہ بعض کاذبوں نے یہ بات اس ذات کی طرف منسوب کی ہے، اور بعض فریبی لوگ اس بارے میں یہ کہہ رہے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے خطاؤں کی وجہ سے یہ گمان و زیادتی کی ہے کہ میں نے اس ذات اقدس کو اپنے اوپر اٹھایا ہوا ہے جس کی کوئی حد نہیں اور میں نے احاطہ کیا ہوا ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں لامحدود اور اپنی صفات میں لامحدود ہے اسے میری حاجت کیسے ہو سکتی ہے یا میں اسے کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ کیونکہ رحمٰن اس کا نام ہے اور استواء اس کی نعت وصفت ہے اور اس کی صفت و نعت کا تعلق و اتصال صرف اسی کی ذات کے ساتھ ہے۔ پھر وہ کس طرح مجھ سے اتصال و انفصال کر سکتا ہے۔ اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجھے اس کی عزت کی قسم کہ میں نہ تو وصلاً اس سے قریب ہوں نہ فصلاً اس سے بعید۔ اور نہ میں اسے اٹھانے کی سکت رکھتا ہوں اور میں تو اس سے بعید۔ اور نہ میں اسے اٹھانے کی سکت رکھتا ہوں۔ اور میں تو اسکی جامعیت کو پراگندگی سے پاک دیکھتا ہوں اور میں کسی کو اس کی مثل نہیں پاتا۔ بلکہ اس نے مجھے اپنی رحمت احسان اور فضل سے ایجاد فرمایا۔ اور اگر وہ مجھے نیست و نابود کر دے تو یہ بھی اسکا فضل و عدل ہی ہوگا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی قدرت سے قائم اور اس کی حکمت سے دائم ہوں۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ حامل محمول بن جائے۔ پس آپ توقف نہ فرمائیں۔ کیا آپ نہیں جانتے بے شک کان، آنکھ اور دل سب اس کے آگے جواب دہ ہیں۔

پس حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ حال سے فرمایا۔ اے عرش! تو میرے سامنے سے ہٹ جا۔ تو مجھے مت مشغول کر۔ میری طہارت کو مکدر اور میری خلوت کو مشوش مت کر۔ کیونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں تیرے عتاب کے لئے سمع خراشی کروں اور نہ ہی یہ ایسی جگہ ہے۔ جہاں میں تیری تقریر سے اپنے دل کو راضی کروں۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلو تہی فرمائی۔ اور آپ نے مستورہ

اور بے حرف وحی کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی اور نہ ہی آپ کی چشم مبارک یکسوئی سے روگرداں ہوئی۔ پھر آپ نے چھٹے مرکب پر قدم رنجہ فرمایا۔ وہ تائیدِ ایزدی کا مرکب تھا۔ پھر اوپر سے آواز آئی۔ آپ نے نہیں دیکھا تیرا محافظ تیرے سامنے ہے۔ دیکھئے یہاں اس وقت آپ اور آپ کا رب ہی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس حیرت میں منہمک ہوں کہ میں جو کہتا ہوں پہچانتا نہیں۔ اور جو کچھ کر رہا ہوں جانتا نہیں۔ عین اُس وقت ایک قطرہ جو شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا، جھاگ سے زیادہ نرم اور کستوری سے زیادہ خوشبودار میرے لب پر آکر گرا۔ اور اس کی بدولت میں تمام انبیاء و مرسلین سے بڑھ کر علم والا ہو گیا۔ اور میری زبان پر اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ جاری ہو گیا۔ پھر مجھے یہ جواب دیا گیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، پھر میں نے سوچا کہ جس باب میں مجھے خصوصیت و شرف حاصل ہوا ہے کیوں نہ میں اپنے بھائیوں یعنی انبیاء کرام کو شامل کروں۔ پس میں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کہا۔ صالحین بندوں سے یہاں انبیاء کرام کا گروہ مراد ہے لہٰذا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شب اسریٰ کے بارے میں پوچھا گیا۔ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعتاً اللہ تعالیٰ کا دیدار فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جی ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ میں اس وقت جب آپ نے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا فرمایا۔ اور فرشتوں نے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا۔ آپ کے دامن عالی کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے آواز آئی کہ قریب ہو جا۔ پھر میں قریب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے یہی معنیٰ ہیں ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی یہاں تک کہ آپ قاب قوسین کے مقام تک پہنچے۔ یاد رہے کہ اس قرب میں فاصلے اور مسافت کا کوئی دخل

نہیں تھا۔

گویا دَنٰی شفاعت اور تقرب برضا الی اللہ کے لئے کہا گیا تھا۔ اور دنی خدمت اور تقرب بالرحمۃ الربوبیۃ کے لئے کہا گیا تھا۔ پھر دَنٰی فَتَدَلّٰی میں دَنٰی کا مطلب ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ذاتِ پروردگار سے ہے اور فَتَدَلّٰی کا مطلب ہے کہ آپ پر وحی کا نزول اسی ذات کی طرف سے ہے (گویا آپ ایک لحاظ سے براہ راست ذات سے اور بلحاظ دیگر بذریعہ وحی یعنی بالواسطہ صفات سے متعلق ہیں) دَنٰی لطافت اور فَتَدَلّٰی اس پر مزید شفقت و رحمت ہے۔

یہ وہ مقام ہے یہاں اَیْنَ بین و جستجوئے کیف سے فارغ ہو گیا ہے اور اَیْنَ کی حالت ختم ہو گئی۔

پس اگر آپ قابَ قوسین پر اکتفا فرماتے تو یہ احتمال پیدا ہو جاتا۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی جگہ رہتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا اَوْ اَدْنٰی یعنی مکان کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت بایں طور تھی۔ کہ یہاں نہ مکان نہ زمان نہ اوان اور نہ اکوان تھا۔ پس ندا آئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھو۔ آپ نے فرمایا۔ اے میرے رب جب جہات ختم ہو چکی ہیں تو میں اپنا قدم کہاں رکھوں۔ جواب ملا کہ قدم کو قدم پر رکھو تاکہ ہر ایک کو علم ہو جائے کہ میں زمان، مکان، اوان، دن، رات، حدود و اقطار اور حدود و مقدار سے منزا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیئے۔ پھر آپ نے نور درخشاں کا مشاہدہ فرمایا۔ پس آپ نے پوچھا یہ نور کیسا ہے جواب ملا کہ یہ نور نہیں ہے بلکہ جنت الفردوس ہے۔ پھر اسے آپ کے قدم مبارک کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔ اور وہی نور آپ کے قدموں پر نچھاور ہونے کے لئے قدموں کے نیچے آگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس وقت یہاں آپ کے قدموں کی ابتدا سے زمین تک کائنات کے اوہام کا انقطاع ہے۔ پھر فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب تک آپ سیر اَیْنَ یعنی مکان و زمان کی سیر میں رہے اس وقت تک جبرائیل علیہ السلام آپ

کے رہبر اور براق آپ کا مرکب رہا۔ اور اب جبکہ آپ مکان سے نکل آئے اکوان سے غائب ہوئے اور جہت سے فارغ ہوئے اور درمیان سے حجاب اٹھا دیئے گئے۔ تاب قوسین کے سوا باقی نہ رہا تو اب میں ہی آپ کا رہبر ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب میں تیرے لئے دروازہ کھولتا ہوں تیری خاطر حجاب اٹھا رہا ہوں۔ اور میں آپ کو شیریں خطاب سے نواز رہا ہوں۔ اور عالم غیب میں آپ نے مجھے تحقیقاً و ایماناً یکتا پایا۔ اور اب عالم شہود میں آپ میری توحید کو شہادتاً و عیاناً بیان فرمائیں۔ پس آپ نے فرمایا أَعُوْذُ بِعَفْوِكَ عَنْ عَقُوْبَتِكَ (میں تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں)

پس اللہ تعالےٰ نے فرمایا یہ دعا آپ کی امت کے لئے سہارا ہے۔ یہ حقیقت میری وحدت کے مدعی یعنی آپ کی نہیں ہے۔ پس آپ نے فرمایا لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ كَمَا اَثْنَیْتَ اَنْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (جس طرح کہ تو نے اپنے نفس کی تعریف کی ہے مجھ میں یہ استعداد نہیں کہ میں بھی اسی طرح بیان کروں)

پس ذات کریم نے فرمایا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو آپ کی زبان مبارک نے عجز و سکوت کو اختیار فرمایا۔ تو میں اسے اب ضرور صدق کا لباس پہناؤں گا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے) اور جب آپ کی نظریں اشارات سے بیگانہ ہو گئیں۔ (یعنی دیدار حق میں منہمک ہو گئیں) تو اب میں آپ کی نظریں خلعت ہدایت سے نوازوں گا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (آپ کی نگاہ نہ بہکی، اور نہ حد سے بڑھی) اور پھر میں ضرور آپ کو نازک حالات میں ایک نور عنایت کروں گا۔ جس کے ذریعے آپ میرے جمال کا نظارہ کر سکیں گے۔ اور ایسے کان دونگا جس سے آپ میرے کلام کی سماعت کر سکیں گے۔ پھر زبان حال سے اپنی طرف آپ کے عروج کے معنیٰ سے آپ کو روشناس کراؤنگا۔ اور میری طرف آپ کی نظر کے راجع ہونے کی حکمت بیان کرونگا۔ گویا کہ اللہ تعالےٰ اس امر کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپکو اپنی امت پر گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) اور شاہد کا حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو دیکھ کر گواہی دیتا ہے۔ غیب پر گواہی دینا کسی صورت میں بھی روا نہیں۔ پس میں آپ کو اپنی جنت دکھاتا ہوں تاکہ آپ اس چیز کا مشاہدہ کریں۔ جو میں نے اپنے دوستوں کے لئے تیار کی ہے۔ اور میں آپ کو اپنا جہنم دکھاتا ہوں تاکہ آپ اس چیز کا مشاہدہ کریں جو میں نے اپنے دشمنوں کے لئے تیار کی ہے۔ پھر میں آپ کو اپنے جلال کا مشاہدہ کراؤنگا اور اپنے جمال کو منکشف کرونگا تاکہ آپ جان لیں کہ میں اپنے کمال میں مثیل، شبیہہ، بدیل، نظیر، مشیر، حد، قد، حصر، عدد، زوج، فرد، مواصلہ مفاصلہ، مماثلہ، مشاکلہ، مجالسہ، ملامسہ، مباینہ اور باہمی امتزاج سے منزّہ ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے مخلوق کو پیدا کر کے اپنی طرف بلایا۔ انہوں نے میرے بارے میں اختلاف کیا۔ پس ایک قوم نے عزیر کو میرا بیٹا قرار دیا۔ اور اس طرح انہوں نے میرے ہاتھوں کو مغلول ٹھہرایا۔ اور یہ یہود تھے۔ اور قوم نصاریٰ نے یہ گمان کیا کہ مسیح میرا بیٹا ہے۔ اور میرے لئے بیوی اور بیٹا ثابت کیا۔ اور بت پرستوں نے میرے شریک ٹھہرائے اور فرقہ مجسمہ نے میری صورت بنائی اور فرقہ مشبہ نے مجھے محدود ٹھہرایا۔ فرقہ معطلہ نے مجھے معدوم گردانا اور فرقہ معتزلہ نے یہ گمان کیا کہ قیامت کو میرا دیدار نہیں ہوگا۔

دیکھیئے میں نے آپ کے لئے دروازہ کھول دیا ہے اور اپنا حجاب اٹھا دیا ہے۔ پس اے میرے محبوب دیکھیئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ جن چیزوں کو میری طرف نسبت کرتے ہیں۔ کیا وہ مجھ میں موجود ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، اس نور کی مدد سے جس کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے آپ کو قوی اور مؤید بنا دیا تھا بغیر ادراک اور احاطہ کے اس کا دیدار فرمایا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ذات فرد اور الصمد ہے جو نہ کسی چیز میں ہے۔ نہ کسی چیز پر ہے نہ کسی کے ساتھ قائم ہے اور نہ ہی کسی کی محتاج

ہے۔ اور نہ وہ ہیکل نہ مثل۔ نہ صورت نہ جسم نہ متحیز نہ مکیف نہ مرکب ہے۔ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ وَّھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (کوئی چیز اُس کی مثل نہیں۔ اور وہ سننے والا اور وہ جاننے والا ہے) پس جب ذاتِ کریم نے آپ کے ساتھ بالمشافہ کلام فرمایا اور آپ کو وجہاً لوجہٍ (آمنے سامنے) اپنے مشاہدے سے مشرف فرمایا۔ تو اس ذات اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے میرے حبیبؐ۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! جو اسرار آپ کو بتائے گئے ہیں کائنات میں انہیں ظاہر نہ کیا جائے اور زمانے میں ان کو نہ پھیلایا جائے۔ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی (پس اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی۔ جو بھیجی)

آپؐ کے معراج شریف کا راز۔ راز سے بھی راز میں تھا۔

وَصَلِّ اللّٰھُمَّ وَسَلِّمۡ وَبَارِکۡ عَلٰۤی اَشۡرَفِ مَخۡلُوۡقَاتِکَ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ بَحۡرِ اَنۡوَارِکَ وَمَعۡدَنِ اَسۡرَارِکَ وَلِسَانِ حُجَّتِکَ وَاِمَامِ حَضۡرَتِکَ وَعَرُوۡسِ مَمۡلَکَتِکَ وَطِرَازِ مُلۡکِکَ وَخَزَائِنِ رَحۡمَتِکَ وَطَرِیۡقِ شَرِیۡعَتِکَ وَزَوۡجِ جَنَّتِکَ وَعَیۡنِ حَقِیۡقَتِکَ الۡمُتَلَذِّذِ بِمُشَاھَدَتِکَ عَیۡنِ اَعۡیَانِ خَلۡقِکَ الۡمُقۡتَبِسِ مِنۡ ضِیَائِکَ صَلٰوۃً تُحِلُّ بِھَا عُقۡدَتِیۡ وَتُفَرِّجُ بِھَا کُرۡبَتِیۡ وَتَقۡضِیۡ بِھَا اَرَبِیۡ وَتُبَلِّغُنِیۡ بِھَا طَلَبِیۡ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِکَ بَاقِیَۃً بِبَقَائِکَ قَائِمَۃً بِذَاتِکَ صَلٰوۃً تُرۡضِیۡکَ وَتُرۡضِیۡہِ وَتَرۡضٰی بِھَا عَنَّا یَارَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ٭

وَحَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ٭

وَلَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ ٭

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَسَلَّمَ

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ٭

شجرة الكون

للشيخ الاكبر سيدنا ومولانا محيي الدين بن العربي قدس الله سره ونور الله ضريحه المتوفى سنة ثمان وثلثون وستمائة

استانبول

طبع في مطبعة العالم على ذمة حسن حامى الكتبى في سنة

١٣١٨

شجرة الكون

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الاحدى الذات الفردى الصفات الذى تقدس وجهه عن الجهات وقدمه عن الحدثات وقدمه عن الجهات وبدنه عن الحركات وعينه عن اللحظات واستواؤه عن الاتصالات وقدرته عن الهفوات وارادته عن الشهوات الذى لاتعدد لصفاته بعدد الموصوفات ولاتختلف ارادته باختلاف المرادات وكون بكلمة كن جميع الكائنات وأوجدها جمع الموجودات فلا موجود الامستخرج من كنهها المكنون ولامكنون الامستخرج من سرها المصون قال الله تعالى انما قولنا لشئ اذا أردناه أن نقول له كن فيكون (وبعد) فانى نظرت الى الكون وتكوينه والى المكنون وتدوينه فرأيت الكون كله شجرة وأصل نورها من حبة كن قد لقحت كاف الكونية بلقاح حبة نحن خلقناكم فانعقد من ذلك البزر ثمرة انا كل شئ خلقناه بقدر وظهر من هذا غصنان مختلفان اصلهما واحد وهو الارادة وفرعها القدرة فظهر عن جوهر الكاف معنيان مختلفان كاف الكمالية اليوم أكملت لكم دينكم وكاف الكفرية فمنهم من آمن ومنهم من كفر وظهر جوهر النون نون النكرة ونون المعرفة فلما أبرزهم من كن العدم على حكم مراد القدم رش عليهم من نوره فأما من أصابه ذلك النور فحدق الى تمثال شجرة الكون المستخرجة من حبة كن فلاح له فى مركانها تمثال كنتم خير أمة واتضح له فى شرح نونها أفمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه وأما من أخطأه ذلك النور فطولب بكشف المعنى المقصود من حرف كن فانه غلط فى هجائه وخاب فى رجائه فنظر الى مثال كن فظن انها كاف كفرية بنون نكرة فكان من الكافرين وكان حظ كل مخلوق من كلمة كن ما عاين من هجاء حروفها وما شهد من سرائر خفاتها دليله قوله صلى الله عليه وسلم ان الله خلق خلقه

(فى ظلمة)

فى ظلمة ثم رش عليهم من نوره فمن أصابه ذلك النور اهتدى ومن أخطأه ذلك النور ضل وغوى فلما نظر آدم الى دائرة الوجود فوجد كل موجود دائرا فى دائرة الكون واحد من نار وواحد من طين ثم رأى هذه الدائرة على سر ازل كن فكيفما دار واستدار وحيثما طار واستطار فاليها يؤول وعليها يحول ولا يزول عنها ولا يحول فواحد شهد كاف الكمالية ونون المعرفة وواحد شهد كاف الكفرية ونون النكرة فهو على حكم ما شهد راجع الى نقطة دائرة كن وليس للكون ان يجاوز ما أراده المكون فاذا نظرت الى اختلاف أغصان شجرة الكون ونوع ثمارها علمت ان أصل ذلك ناشئ من حبة كن بائن عنها فلما أدخل آدم فى مكتب التعليم وعلم الاسماء كلها نظر الى مثال كن ونظر الى مراد المكون من المكون فشهد المعلم من كاف كن كاف الكنزية كنت كنزا مخفيا لا أعرف فأحببت أن أعرف فنظر من سر النون نون الانانية اننى أنا الله لا اله الا أنا الآية فلما صح الهجاء وحقق الرجاء استنبط له من كاف الكنزية كاف التكريم ولقد كرمنا بنى آدم وكاف الكنزية كنت له سمعا وبصرا ويدا واستخرج له من نون الانانية نون النورية وجعلنا له نورا واتصلت بها نون النعمة وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها وأما ابليس لعنه الله فانه مكث فى مكتب التعليم أربعين ألف عام يتصفح حروف كن وقد وكله المعلم الى نفسه وأحاله على حوله وقوته فكان ينظر الى مثال كن ليشهد من مثالها كاف كفره فكبو فأبى واستكبر ويشهد من نونها نون نارية خلقتنى من نار فاتصلت كاف كفريته بنون ناريته فكبكبوا فيها فلما نظر آدم الى اختلاف هذه الشجرة وتنوع أزهارها وثمارها تشبث بغصن انى أنا الله فودى كل من ثمار التوحيد واستظل بظل التفريد ولا تقربا فأراد ابليس ان يوصله بغصن فوسوس لهما فأكلا منهما فزلقا فى مزالق وعصى واستمسك بغصن ربنا ظلمنا أنفسنا فتدلت عليه ثمار فتاب فلما نودى يوم الاشهاد على رؤس الاشهاد ألست بربكم فشهد كل على مقدار ما شهد وسمع ثم اتفق الكل فى الايجاب فقالوا بلى لكن الاختلاف وقع من حيث الاشهاد فمن أشهده جلالية ذاته شهد أنه ليس كمثله شئ ومن أشهده جمالية صفاته شهد أنه لا اله الا هو الملك القدوس ومن أشهده بحر انس مخلوقاته اختلفت شهاداتهم لاختلاف المشهود فقوم جعلوه محدودا وقوم جعلوه معدوما وقوم جعلوه حجرا حلولا والكل فى ذلك على حكم قل ان اصبتا وهو مستبطن فى سر كلمة كن دائر على نقطة دائرتها ثابت على أصل حبتها فلما كانت هذه الحبة بزر شجرة الكون وبزر ثمرتها ومعنى صورتها أحببت ان أجعل للكون مثالا وللوجود تمثالا ولما يتنج فيه من الاقوال والافعال والاحوال منوالا فقلت شجرة نبتت عن أصل حبة كن وكل ما يحدث فى الكون من الحوادث كالنقص والزيادة والغيب والشهادة والكفر والايمان وما ثمر من الاعمال وزكاة الاحوال وما يظهر من أزاهير القول والتوق والذوق ولطائف المعارف وما يورق به من قربات المقربين ومقامات المتقين ومنازلات الصديقين ومناجاة العارفين ومشاهدات المحبين كل ذلك من ثمرها الذى أثمرته وطلعها الذى أطلعته فأول ما أنبتت هذه الشجرة التى هى حبة

كن ثلاثة أغصان أخذ غصن ذات اليمين فهم أصحاب اليمين وأخذ غصن منها ذات الشمال ونبت غصن منها معتدل القامة على سبيل الاستقامة فكان منه السابقون المقربون فلما نبت واستعلى جاء من فرعها الاعلى وجاء من فرعها الادنى عالم الصورة والمعنى فما كان من قشورها الظاهرة وستورها البارزة فهو عالم الملك وما كان من قلوبها الباطنة ولباب معانيها الخافية فهو عالم الملكوت وما كان من الماء الجارى فى شريانات عروقها الذى حصل به نموها وحياتها وسموها وبه طلعت ازهارها وأينعت ثمارها فهو عالم الجبروت الذى هو سر كلمة كن ثم أحاط بالشجرة حائط وحدها احدود ورسم لها رسوم تحدودها الجهات وهى العلو والسفل واليمين والشمال ووراء وأمام فما كان أعلى فهو حدها الاعلى وما كان أسفل فهو حدها الاسفل وأما سموها وما فيها من الافلاك والاجرام والاملاك والاحكام والآثار والاعلام فجعل السبع الطباق بمنزلة مايستظل به من الاوراق وجعل الكواكب فى الاشراق بمنزلة الازهار فى الآفاق وجعل الليل والنهار بمنزلة رداءين مختلفين أحدهما أسود يرتدى به ليحتجب عن الابصار والآخر أبيض يرتدى به ليتجلى على ذوات الاستبصار وجعل العرش بمنزلة بيت مال هذه الشجرة وخزانة صلاحها اذ منه يستمدمايه صلاحها وفيه سواس هذه الشجرة وخدمها وترى الملائكة حافين من حول العرش اليه يتوجهون وعليه يعلون وحوله يحومون وبه يطوفون وحيثما كانوا فاليه يشيرون فمتى حدث فى هذه الشجرة حادثة أو نزل بشىء منها نازلة رفعوا أيدى المسئلة والتضرع الى جهة عرشه يطلبون الشفا ويستعفون عن الخطا لان موجد هذه الشجرة لاجهة اليه يشار اليها ولاأينية له يقصدونها ولا كيفية له يعرفونها فلو لم يكن العرش جهة يتوجهون اليه للقيام بخدمته ولأداء طاعته لضلوا فى طلبهم فهو سبحانه وتعالى انما أوجد العرش اظهارا لقدرته لامحلا لذاته وأوجد الوجود لالحاجة له به وانما هو اظهار لاسمائه وصفاته فان من أسمائه الغفور ومن صفاته المغفرة ومن أسمائه الرحيم ومن صفاته الرحمة ومن أسمائه الكريم ومن صفاته الكرم فاختلفت أغصان هذه الشجرة وتنوعت ثمارها ليظهر سر مغفرته للمذنب ورحمته للمحسن وفضله للطائع وعدله للعاصى ونعمته للمؤمن ونقمته على الكافر فهو مقدس فى وجوده عن ملامسة ماأوجده ومجانبته ومواصلته ومفاصلته لانه كان ولا كون وهو الآن كما كان لايتصل بكون ولاينفصل عن كون لان الوصل والفصل من صفات الحدوث لامن صفات القدم لان الاتصال والانفصال يلزم منه الانتقال والارتحال ويلزم من الانتقال والارتحال التحول والزوال والتغير والاستبدال هذا كله من صفات النقص لامن صفات الكمال فسبحانه سبحانه وتعالى عما يقول الظالمون والجاحدون علوا كبيرا ثم جعل اللوح والقلم بمنزلة كتاب الملك ومايسطر فيه من أحكامه وماحكم بنقضه وابرامه وايجاده واعدامه ومايخرج من بره وانعامه ومايكون من ثوابه وانتقامه ثم جعل سدرة المنتهى بمنزلة غصن من أغصان هذه الشجرة يقوم تحتها من يقوم بخدمته وينفذ أحكامه ويرفع اليه مايحمل من ثمرة

(هذه)

هذه الشجرة ومابدانيها ثم يتلقى هنالك من نسخة كتاب الملك الذي هو اللوح المحفوظ ومايحدث في هذه الشجرة من محو واثبات ونقص وزيادة فلا يتجاوز تلك الشجرة اذ لكل واحد منهم حد مفهوم وحظ مقسوم ورسم مرسوم ومامنا الا له مقام معلوم ولا يرفع شئ من ثمرة هذه الشجرة من دني أو سني أو صغير أو كبير أو جليل أو حقير أو قليل أو كثير الا ختم عليه في كتاب لايغادر صغيرة ولا كبيرة الا أحصاها ثم يأمرهم الملك ان يدفعوا الى احدى خزانتيه اللتين ادخرهما للثمرة هذه الشجرة وهما الجنة والنار فما كان من ثمر طيب ففي خزانة الجنة كلا ان كتاب الابرار لفي عليين وما كان من ثمر خبيث ففي خزانة النار كلا ان كتاب الفجار لفي سجين فاما الجنة فدار أصحاب اليمين من جانب الطور الايمن من الشجرة المباركة الطيبة واما النار فدار اصحاب الشمال من الشجرة الملعونة في القرآن ثم جعل الدنيا مستودع زهرتها والآخرة مستقر ثمرتها وأحاط على هذه الشجرة حائط احاطة القدرة والله بكل شئ محيط وأدار عليها دائرة الارادة يفعل مايشاء ويحكم مايريد فلما ثبت أصل هذه الشجرة وثبت فرعها التي طرفاها ولحق أخراها بأولاها الى ربك منتهاها الى مبتداها لان من كان أوله كن كان آخره يكون فهي وان تعددت فروعها وتنوعت زروعها فأصلها واحد فهي حبة كلمة كن وسيكون آخرها واحدا وهي كلمة كن فلو أحدقت ببصر بصيرتك لرأيت أغصان شجرة طوبى معلقة باغصان شجرة الزقوم وبرد نسيم القرب بمازج حر السموم وظل سماء الوصل متصل بظل من يحموم وقد تناول كل حظه المقسوم فواحد يشرب بكأس المختوم وواحد يشرب بكأس المحتوم وواحد من بينهم محروم فلما برزت أطفال الوجود من حضرة العدم هبت عليهم نسمات القدرة وغذتها لطائف الحكمة وأمطرتها سحائب الارادة بعجائب الصنع فأنبتت كل غصن منها مايليق له في القدم وركب في عنصره من الصحة والسقم والكون كله من عنصرين مستخرجين من جزأين من كلمة كن وهما الظلمة والنور فالخير كله من النور والشر كله من الظلمة فالملائكة موجود من عنصر النور فكان منهم الخير لايعصون الله ما أمرهم وملأ الشياطين من عنصر الظلمة فكان منهم الشر وأما آدم وبنوه فانهم جعلت طينتهم من الظلمة والنور وركب عنصره من الخير والشر والنفع والضر وجعلت ذاته قابلة للمعرفة والنكرة فاي جوهر غلب عليه نسب اليه فان غلب جوهر نوره على جوهر الظلمة وظهرت روحانيته على جسمانيته فقد فضل على الملك وعلى من الفلك وان غلب جوهر ظلمته على جوهر نوره وظهرت جسمانيته على روحانيته فقد فضل على الشيطان فلما قبض الله آدم من قبضة تراب كن مسح على ظهره حتى يميز الخبيث من الطيب فاستخرج من ظهره من كان من أصحاب اليمين فأخذوا ذات اليمين واستخرج من ظهره من كان من أصحاب الشمال فأخذوا ذات الشمال وما زاغ أحد عن المراد وما مال ومن قال لم فقد أخطأ في السؤال فأول من عمل حوالي هذه الشجرة الى أصل حبة كن فأعنصر صفوة عنصرها

ومخضها حتى بدت زبدتها صفاها بصفاة الصفوة حتى زال وخمها ثم ألقى عليها من نور هدايته حتى ظهر جوهرها ثم غمسها في بحر الرحمة حتى عمت بركتها ثم خلق منها نور نبينا محمد صلى الله عليه وسلم ثم زين بنور الملا الاعلى حتى أضاء وعلا ثم جعل ذلك النور أصلا لكل نور فهو أولهم في المسطور وآخرهم في الظهور وقائدهم في النشور ومبشرهم بالسرور ومتوجهم بالحبور فهو مستودع في ديوان الانس مستقر في رياض الانس وحضرة الانس سر معنى روحانيته بستر جسمانيته وغطى عالم شهوده بعالم وجوده فهو مستخرج في الكون مستنبط لاجله الكون وذلك ان الله تعالى كون الاكوان اقتدارا عليها لا افتقارا اليها وكان حكمته في التكوين لاظهار شرف الماء والطين فانه أوجد ولم يقل في شيء من ذلك انى جاعل في الارض خليفة وكان وجود الآدمى فكانت حكمته في وجود الآدمى لاظهار شرف النبي عليه وسلم لانه حكمة الاجساد لاستخراج كاف الكنزية كنت كنزا مخفيا لا اعرف فكان المقصود في الوجود معرفة موجدهم سبحانه وكان المخصوص باتم المعارف قلب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم لان معارف الكل كانت تصديقا وايمانا ومعرفته صلى الله عليه وسلم مشاهدة وعيانا وبنور معرفته صلى الله عليه وسلم تعرفوا وبفضله عليهم اعترفوا فاستخرجه من لباب حبة كن كزرع أخرج شطأه فآزره بصحابته فاستغلظ بقرابته فاستوى على سوقه بصحة ذوقه وقوة توقه وشوقه فلما ظهر هذا الغصن المحمدى وسما أورق عوده ونما وانهل عليه سحاب القبول وهى وتباشر بظهوره الحدثان وبشر بوجوده الثقلان وتعطرت بقدومه الاكوان وانكست بمولده الاوثان ونسخت ببعثه الاديان ونزل بتصديقه القرآن واهتزت طربا شجرة الاكوان وتحرك مافيها من الالوان والعيدان وكان من أغصان هذه الشجرة من أخذ ذات الشمال ومال بهوى الضلال فلما ارسلت رياح الارسال برسالة وما أرسلناك الا رحمة للعالمين استنشقها من سبقت لهم منا الحسنى فمال اليها متعطفا وأما من كان منكوسا أو من خلع القبول محروما فانه عصفت به عواصف القدرة فأصبح بعد نضارته يابسا ووجه سعادته عابسا وراح من رجاء فلاحه قانطا آيسا وكان سر هذا الغصن لقاح شجرة الجود ودرة صدفة الوجود وكان من روح روحانيته روح ياأيها النبي انا أرسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا فهو مصباح ظلمة الكون وروح جسد الوجود لان الله تعالى لما خاطب السموات والارض وقال لهما ائتيا طوعا أو كرها قالتا أتينا طائعين فأجابه موضع الكعبة من الارض ومن السماء ما يحاذيه فكانت تربة بقعة الكعبة وكان محل الايمان من الارض فلما أمر الله بالقبضة التى قبضت من الارض لخلق آدم عليه السلام قبضت من سائر الارض من طيبها وخبيثها فكانت طينة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم مخلوقة من موضع الكعبة التى هى محل الايمان بالله تعالى ثم عجنت تلك الطينة بطينة آدم عليه السلام فكانت تلك الطينة بمنزلة الخميرة ولولا ذلك لما اطاقوا الاجابة يوم الاشهاد وهو معنى قوله

(صلى الله)

صلى الله عليه وسلم كنت نبيا وآدم بين الماء والطين فكانت ذوات الوجود وبركته من ذرة وجوده فلما أشهدهم على أنفسهم فى حضرة شهوده قال ألست بربكم قالوا بلى فسرت فى أجزاء ذراتهم تلك الخميرة النبوية فانطلقت باذن الله تعالى ألسنتهم بالتلبية قائلة فمن كانت طينته قابلة للتخمير بما سبق فى التقدير بقى معه ذلك التخمير باقيا فيه مستصحبا حتى ظهر الى الحس وظهر فى تلك الصورة فبرز ذلك المعنى محققا لتلك الدعوى فأشرق نور ذلك المعنى الروحانى على مايحاذيه من الجسد الجسمانى فأشرق الجسد بعد ظلمته فاستنارت الجوارح لرشدها فعملت بالطاعة وأما من كانت طينته خبيثة غير قابلة للتخمير وانما أثرت تلك الخميرة مقدار مااعترف عند الاشهاد وأفصحت فى ذلك الاقرار فى حال الاستقرار ثم طال عليها الامد ففسدت تلك الخميرة بفساد تلك الطينة وكأنه كان مستودعا فاسترجع منه مااستودع اذلم يكن لحفظها أهلا فهو مستودع أعنى الايمان فى قلوب الكافرين مستقر فى قلوب المؤمنين وهو معنى قوله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة التى فطر الله الناس عليها وهو تساويهم فى الايمان فى قول ألست بربكم قالوا بلى واستووا فى التلبية ونطقوا بالاجابة لسريان تلك الخميرة النبوية فى أجزاء ذراتهم وقد سبق فى علم الله تعالى ونفذ تقديره فمن بقى على ذلك الاقرار لايستحيل الى الجحود والانكار وكل مايحدث فى شجرة الكون من نمو وزيادة وازهار واثمار افكار ومتشابه شوق ومحكم ذوق وصفاء أسرار ونسيم استغفار ومانمو من الاعمال وتزكو به الاحوال وماتورق به من رياضات النفوس ومناجاة القلوب ومنازلات الاسرار ومشاهدات الارواح ومايثبت به من أزاهير الحكم ولطائف المعارف ومايصعد من طيب الانفاس ومايعقد من ورق الايناس ومايتنشأ من رياح الارتياح ومايبنى على اصلها من مراتب أهل الاختصاص ومقامات الخواص ومنازلات الصديقين ومناجاة المقربين ومشاهدات المحبين كل ذلك من لقاح الغصن المحمدى متوقد من نوره مستمد من نمائه كوثره يغذى بلباب بره مربى فى مهد هدايته فلذلك عمت بركاته وتمت على الخلائق رحمته وما أرسلناك الا رحمة للعالمين فلما مهد لاجله الدار وسخر من أجله الليل والنهار ورسم الرسوم وحدد الاقطار ونوه بذكره ونبه على سره وقدره واخذ الميثاق على تصديقه والتمسك بحبل تحقيقه جلا عروس شريعته على أتباعه وشيعته ثم ختم بنبوته الانبياء وبكتابه الكتب وبرسالته الرسل فمن احتمى بحمى شريعته سلم ومن استمسك بحبل ملته عصم لماتوسل به آدم عليه السلام سلم من الملام ولما انتقل الى صلب ابراهيم الخليل صارت النار عليه بردا وسلاما ولما أودعته صدفة اسمعيل فدى بذبح عظيم فثمرة غصن أصحاب اليمين يحبهم ويحبونه وثمرة غصن أصحاب الشمال وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم وثمرة غصن السابقين المقربين محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم فبركته على الآفاق قد عمت وكلمته قد تمت خلق آدم على صورة اسمه لان اسمه محمد فرأس آدم دائرة مدورة على صورة الميم الاولى من اسمه وارسال يده مع جنبه على صورة الحاء

وبطنه على صورة الميم الثانية ورجلاه فى انفتاحهما على صورة الدال فكمل خلق آدم على صورة اسم محمد صلى الله عليه وسلم وقولنا كون الاكوان على هيئة رسمه لان العالم عالمان عالم الملك وعالم الملكوت فعالم الملك كعالم جسمانيته وعالم الملكوت كعالم روحانيته فكثيف العالم السفلى ككثيف جسمانيته ولطيف العالم العلوى كلطيف روحانيته فما فى الارض من الجبال التى جعلت فى الارض أوتادا فهى بمنزلة جبال عظامه التى جعلت أوتاد جسده وما فيها من بحار مسجورة جارية وغير جارية عذبة وغير عذبة فهى بمنزلة ما فى جسده من دم جار فى تيار العروق وساكن فى جداول الاعضاء واختلاف أذواقها فمنها ما هو عذب وهو ماء الريق يطيب بعذوبته المآكل والمشارب ومنها ما هو مالح وهو ماء العين تحفظه شحمة العين ومنها ما هو مر وهو ماء الاذن لصيانة الاذن من حيوان ودبيب يصل اليها فيقتله ذلك الماء ثم فى أرض جسده ما ينبت كالارض الجرز والارض السبخة التى لا تنبت ويستحيل النبت فيها ثم لما كان فى الارض بحار عظيمة يتفرع منها أنهار وسواق لنفع الناس بها كذلك فى أرض جسده عروق غلاظ كالوتين الذى يبث الدم وتستمد العروق منه الاسار الجسد ثم العالم العلوى وهو عالم السماء جعل الله فيه شمسا كالسراج يستضىء به أهل الارض كذلك جعلت الروح فى الجسد يستضىء بها الجسد فلو غابت بالموت لاظلم الجسد كظلمة الارض اذا غابت عنها الشمس ثم جعل العقل بمنزلة القمر يستنير فى فلك السماء تارة يزيد وتارة ينقص فابتداؤه صغير وهو هلال كابتداء عقل الصغير فى صغره ثم يزيد كزيادة القمر ليلة تمامه ثم يبدو بالنقص فهو بمنزلة بلوغ الاجل الى تمام الاربعين ثم يعود فى النقص فى تركيبه وقوته ثم جعل فى السماء كواكب خمسا وهى الخمس الخنس الجوارى الكنس وهى بمنزلة الحواس الخمس وهى الذوق والشم واللمس والسمع والبصر ثم جعل فى عالم السماء عرشا وكرسيا فالعرش أوجده وجعل وجهة قلوب عباده اليه ومحل رفع الايدى اليه لا محلا لذاته ولا محاذيا لصفاته لان الرحمن تعالى اسمه الاستواء نعته وصفته ونعته وصفته متصلة بذاته والعرش خلق من خلقه لا متصل به ولا ملامس له ولا محمول عليه ولا مفتقر اليه وأما الكرسى فهو وعاء أسراره وكنانة أنواره ومستودع ما فى دائرة وسع كرسيه السموات والارض فجعل الصدر بمنزلة الكرسى لان فيه تحصيل العلوم الصادرة بمنزلة الساحة على باب القلب والنفس يشرع منه بابان اليهما فما صدر عن القلب من خير أو عن النفس من شر فهو محصل فى الصدر وعنه يصدر الى الجوارح وهو معنى قوله تعالى وحصل ما فى الصدور وجعل القلب بمنزلة العرش لان عرشه فى السماء معروف وعرشه فى الارض مسكون لان عرش القلوب أفضل من عرش السماء لان ذلك العرش لا يسعه ولا يحمله ولا يدركه وهذا عرش فى كل حين ينظر اليه ويتجلى عليه وينزل من سماء كرمه اليه ما وسعنى سموانى ولا أرضى ووسعنى قلب عبدى المؤمن ولما جعل فى عالم الآخرة جنة ونار النعيم والعذاب هذه خزانة الخير وهذه خزانة شر

(كذلك)

كذلك جعل الخير الذى هو مكان سويداء القلب جعله جنة عبده المؤمن لانه محل المشاهدة والتجلى والمناجاة والمنازلات ومنبع الانوار وجعل النفس بمنزلة النار لانها منبع الشر ومحل الوسواس وربع الشيطان ومحل الظلمة ثم جعل اللوح والقلم نسخة كتاب الكون والتكوين وما كان وما يكون الى يوم الدين وجعل الملائكة تستنسخ مايؤمرون بنسخة من محو واثبات وموت وحياة ونقص وزيادة فكذلك اللسان بمنزلة القلم والصدر بمنزلة اللوح فما نطق به اللسان رقمه الاذهان فى ألواح الصدور وما أرخته ارادة القلب الى الصدر عبر عنه اللسان كالترجمان ثم جعل الحواس رسل القلب يستنسخ ماحصل فيها فالسمع رسول وهو جاسوسه والبصر رسول وهو حارسه واللسان رسول وهو ترجمانه ثم جعل فى الانسان ماهو دلالة على الربوبية وتصديق الرسالة المحمدية وذلك الهيكل الانسانى لما افتقر الى مدبر وهو الروح وكان مدبره واحدا وكانت الروح غير مرئية ولامكيفة ولامتحيزة فى شئ من الجسد ولايتحرك شئ من الجسد الا بشعور هابه وارادتهاله لايحس ولايمس الابها وكان ذلك كله دلالة على ان العوالم لابدلهم من مدبر ومحرك ويلزم منه ان يكون واحدا عالما بما يحدث فى ملكه قادرا على حدوثه وانه غير مكيف ولا متمثل ولا مرئى ولامتحيز ولامتبعض ولا محسوس ولاملموس ولامقبوس بل ليس كمثله شئ هو السميع البصير ولما كان رسوله الى خلقه اثنين ظاهر وباطن فرسوله الظاهر محمد رسول الله ورسوله الباطن جبريل فجبريل يأتيه بالوحى بين قومه ولايحسونه ولايعرفونه فكذلك كان لمدبر هذا الهيكل الانسانى وهو الروح رسولان باطن وظاهر فالرسول الباطن هى الارادة بمنزلة جبريل يوحى الى اللسان واللسان يعبر عن الارادة وهو بمنزلة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم ثم لما جعل فيك دلالة على صحة نبوته وصدق رسالته جعل فيك أيضا دلالة على ماجاء به من تحقيق شريعته واتباع سنته فكان أصل الابدى خمسة أشياء كل منها خمس فالاصل الاول مابنى عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بنى الاسلام على خمس شهادة أن لااله الاالله وأن محمدا رسول الله واقام الصلاة وايتاءالزكاة وصوم رمضان والحج الى بيت الله الحرام الاصل الثانى وكانت الصلاة المفترضة خمس والثالث الزكاة المفروضة فى النصاب خمس والرابع محمد رسول الله والذين معه أبو بكر وعمر وعثمان وعلى فهم خمسة برسول الله صلى الله عليه وسلم الخامس أهل البيت خمسة محمد صلى الله عليه وسلم وعلى وفاطمة والحسن والحسين فلما كان أركان الدين اقامة اركان شريعته ومحبته صحابته ومودة قرابته جعل فى أصابعك منها دلالة على ذلك خمسة فالخمسة التى بنى الاسلام عليها بمنزلة الحواس الخمس منك وهى السمع والبصر واللمس والشم والذوق لانك تجد بهذه الحواس مذاق كل شئ ومعرفة كل شئ وكذلك تجد باقامة تلك الاركان الخمسة ذوق كل شئ وادراك العرفان ومعرفة الرحمن وعلم الايقان فخاصة البصر تدعوك الى اقامة أركان الصلاة قال صلى الله عليه وسلم جعلت

قرة عيني في الصلاة وحاسة اللمس تدعوك لاداء الزكاة قال الله تعالى خذ من أموالهم صدقة وحاسة الذوق تدعوك الى ترك ذوق الطعام لاقامة ركن الصيام وحاسة السمع تدعوك الى استماع الاذان وأذن في الناس بالحج وحاسة الشم تدعوك الى استنشاق أنفاس التوحيد انى لاجد نفس الرحمن من قبل اليمن فهذه الحواس تدعوك الى اقامة الاركان الخمس وجعل أصابعك الخمس في يمينك بمنزلة محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم والذين معه هم أبو بكر وعمر وعثمان وعلي وان آدم عليه السلام لما خلق نور سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم في جبينه كانت الملائكة تستقبله وتسلم على نور محمد صلى الله عليه وسلم وآدم عليه السلام لم يره فقال يارب أحب أن أنظر الى نور ولدى محمد صلى الله عليه وسلم فحوله الى عضو من أعضائي لاراه فحوله الى سبابته في يده اليمنى فنظر اليه يتلألأ في مسبحته فرفعها فقال أشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله فلذلك سميت المسبحة فقال يارب هل بقي في صلبي من هذا النور شيء قال نعم نور أصحابه وهم أبو بكر وعمر وعثمان وعلي فجعل نور علي في ابهامه ونور أبي بكر في الوسطى ونور عمر في البنصر ونور عثمان في الخنصر وقيل انما جعلت في يدك لتقبض برؤسهن على حب هؤلاء الخمسة ولا تفرق بينهم وبين محمد صلى الله عليه وسلم فان الله جمع بينهم بقوله تعالى محمد رسول الله والذين معه ثم جعل أصابعك الخمس في اليد اليمنى مذكرة بالخمسة أشباح وهم أهل البيت الذين أذهب الله عنهم الرجس بقوله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أنزلت هذه الآية فينا أهل البيت أنا وعلي وفاطمة والحسن والحسين ثم جعل أصابع قدميك الخمس عشرة لك مذكرة بالخمس صلوات التي افترضها الله عليك فتقوم بها على قدميك لانها خدمة الله تعالى في الارض والخدمة انما تكون من القدمين فذلك جعلت قدمك اليمنى مذكرة بالصلوات الخمس وأصابع قدمك اليمنى تذكرك بما يجب من نصاب الزكاة وهي خمس دراهم فالزكاة مقرونة بالصلاة فلذلك كانت أصابع القدمين اشارة الى الصلاة والزكاة ثم جعل فيك مايدل على الموت والبعث ومايدل على نعيم القبر وعذابه وهو النوم ومايراه النائم من منام سيء فيتعذب به فيصير بالنوم كالميت فاقدالحس فلا سمع له ولا بصر له ولا ادراك له ثم جعل له سمعا وبصرا وادراكا فيسمع ويبصر بسمع وبصر عن سمعه وبصره ويرى نفسه تذهب حيث تشاء ويأكل ويشرب فهي بمنزلة مايراه الميت في قبره من النعيم والعذاب في مدة البرزخ بين الموت والبعث ثم يوقظك الله من نومك لا عن مرادك ولا عن اختيارك فلو أردت ان لا تنتبه من ذلك فأنت تطيق أن لا تبعث وهذا تكذيب من أنكر البعث بعد الموت وجهله وهم الزنادقة والدورية والفلاسفة ورد على من أنكر عذاب القبر ونعيمه ومسئلته وهم المعتزلة (ثم اعلم) ان الله تعالى خلق خلقه على ثلاثة أصناف فقال تعالى والله خلق كل دابة من ماء فمنهم من يمشي على بطنه كالحيات والديدان ومنهم من يمشي على رجلين كالطير والآدمي ومنهم من يمشي على أربع كالدواب فهم صنف كالساجد وصنف كالراكع

(وصنف)

وصف كالقائم كالاشجار والجدران لايطيقون ركوعا والراكع كالدواب لايطيقون سجودا ولاقياما والساجد كالحشرات لايطيقون رفعا وكلهم مخلوقون لطاعته وتقديسه وتنزيهه وان من شئ الا يسبح بحمده فجمع سبحانه لك سائر عبادات خلقه وطاعتهم وبسط لك فى خلقه ان شئت ان تعبده قائما وراكعا وساجدا فملت ليجمع لك فضيلة جميع خلقه فكذلك فرض عليك الصلاة وجعلها تشتمل على سائر عبادة خلقه فكذلك فضيلة القوم والركع والسجود وأنت المقصود من كل الوجود وأنت خاصة العبيد المراد المعبود فهذا معنى قولنا متقدما خلق الله آدم عليه السلام على صورة اسم محمد صلى الله عليه وسلم وخلق الكون على هيئة رسمه واعلم ان الملاء الاعلى مسخرون فى نفع شجرة الكون مستعملون لمصالحها قائمون بحقوقها لما فيها من خاصية هذا الغصن المحمدى والنور الاحدى فاول ما انسلخ نهار الوجود من ظلمة ليل العدم شعشعت أنوار الشموس المحمدية فى أفق جبين آدم عليه السلام فخرت الملائكة سجدا وقالوا مليك العرش محمد أبدا فلما أمروا بالسجود فسجدوا وخصوا بالشهود فشهدوا وقيل لهم شكران هذه المشاهدة ان تقوموا على قدم المجاهدة فى خدمة شجرة هو أصلها ودولة هو عقدها وحلها فليكن منكم السفرة يسعون بالصحف المطهرة وليكن منكم البررة يطوفون حول حمى هذه الشجرة وليكن منكم الحملة يحملون لكل عامل عمله وليكن منكم الكتاب يقومون على أعتاب من قد تاب وليكن منكم من يغسل وجوههم من غبار الاوزار بماء الاستغفار ويستغفرون لمن فى الارض وليكن منكم الحفظة يحفظون عليهم أعمالهم ويحصون ما عليهم ومالهم وليكن منكم من يسعى فى أرزاقهم ليتفرغوا لطاعة رزاقهم فقوم يرسلون الرياح وقوم يسيرون السحاب وقوم يسجرون البحار وقوم ينزلون ماء الامطار وقوم يحفظون الاقطار وقوم يغشون الليل وقوم يسبحون النهار وقوم معقبات يحفظون الجوارح من الموبقات وقوم يرفعون الآفات وقوم يزخرفون الجنان وقوم يسعرون النيران فلما تمهدت الدار ودار كأس ارادته فاستدار فأول ما استحضر الى ذلك المحضر ابليس وهو رفل فى ثياب التسبيح والتقديس لكنها محشوة بادغال التدليس فلما حضر الى ذلك المحضر وشاهد جمال ذلك المنظر ووقف على عرفات المعرفة فانكر وأصر على العصيان وأضمر واستصغر حق هذا الماء والطين واستحقر فلما قيل له اسجد فى صفاء كاساتك فأبى واستكبر فتجاوز الكاس وفاته صحبة الاكياس وبقى فى ظلمة الغم والوسواس وفتش اكياس علمه وعمله فاذا هى فلوس اكياس فبقى منقطعا فى مفازة القطيعة قاطعا للشيعة والشريعة كلما زاد كربه وتعاظم عليه ضربه يستغيث بلسان فلأضلنهم ولامنينهم ولآمرنهم والقدر يقول لا كتبن لهم منشور الامان ان عبادى ليس لك عليهم سلطان فسأل المالك الانظار فانظر ليكون قائد الكفار الى النار عكازة يعتمد عليها ذوو الذنوب والاوزار فاذا زل أحدهم قال انما استزلهم الشيطان وان عمل قال هذا من عمل الشيطان فلما اقتحم آدم وابليس عقبة المعصية هذا بترك ما أمر به وذاك بفعل مانهى عنه جمع بينهما

القدر اذ قدر لانه تعالى أمر وأراد خلاف ما أمر فاوهبه الاصل لبته الارادة فلم تعد بها حكم لابليس ان لا يتعداها وطلب الشقي فيها خيامه وجعل في عرصتها مقامه وأما آدم فانه حن الى دار المقامة وتذكر لياليه وأيامه فعاد على نفسه بالملامه فنادى بين ندماء الندامه ربنا ظلمنا أنفسنا فتلقى بشير قربه بتفريج كربه فتلقى آدم من ربه كلمات وأما الشقي ابليس فانطلقت اليه خيول اللعنة مطلقة الاعنة تبشره بطرده وبعده فاخرج منها مذءوما مدحورا فلما اهبطوا فتقلقل آدم قلقا وكاد أن يتمزق حرقا وقال سيدي جرعت مرارة الصدود في الصعود فاعذني من حرارة القنوط في الهبوط فقيل له لا بأس عليك حتى تصل الى مفرق فريقين فريق في الجنة وفريق في السعير فاخذ آدم ذات اليمين وأخذ ابليس ذات الشمال فكان أصلا لاصحاب الشمال لكنهما لما اصطحبا واجتمعا فكان للصحبة اثر فكان محله من آدم وسيره معه مما يلي شماله فاثر ذلك على ما كان في أصله من الصفح الايسر فبرحوا في ظل ظلمة مخالفته فكفروا بقربهم منه ومحاذاتهم له وبقي من كان في الصفح الايمن في نور معرفة آدم فسلموا من ظلمة ابليس لبعدهم عنه وأثر عليهم جوار من كفروا استظل بظلمة ضلاله وهم أهل الصفح الايسر واثر ذلك في صفاتهم وسلبت لهم أنوار ذواتهم ومعارفهم فارتكبه أهل الصفح الايمن من المعاصي والاوزار هو من أثر ذلك الجوار وأشعة ذلك العذار واعلم انه كان لذلك الاثر أصل آخر وسبب آخر وهو انه لما أمر الله تعالى بقبض القبضة التي خلق منها آدم عليه السلام فهبط ملك الموت لذلك وكان ابليس يومئذ في الارض قد استخلفه الله تعالى فيها مع جملة من الملائكة وقد مكث زمانا طويلا يعبد الله فقبض ملك الموت القبضة من سائر الارض وكان ابليس يطؤها بقدمه فلما عجنت طينة آدم وصورت صورته من تلك الطينة جاء خلق النفس من التراب الذي وطئه ابليس بقدمه وخلق القلب من التراب الذي لم يطأه ابليس بقدمه فاكتسبت النفس ما فيها من الخبث والاوصاف المذمومة من ملامسة وطء ابليس ومن هنا جعلت النفس مأوى الشهوات وعيشه وسلطانه عليها لو طئه اياها ومن هنا حمل ابليس التكبر على آدم حيث وجدها من تراب قدمه ونظر الى جوهر عنصره وهو النار فادعى الفخار حينئذ ومال الى الاستكبار وهذا معنى قول الله سبحانه وتعالى يا أيها الذين آمنوا لا تتبعوا خطوات الشيطان التي خلقت من تحت خطواته واعلم انه لما نشأت شجرة الكون أنبتت اغصانا ثلاثة غصن ذات اليمين وغصن ذات الشمال وغصن نبت مستقيما قائما وهو غصن السابقين فكانت روحانية محمد صلى الله عليه وسلم قائمة بالثلاثة أغصان متعلقة بها سارية فيها فلكل غصن نصيب على مقدار قابلية تلك الروحانية قال الله تعالى وما أرسلناك الا رحمة للعالمين فكان حظ غصن أصحاب اليمين روحانية الهداية والمتابعة له والعمل بسنته وشريعته قال الله تعالى الذين يتبعون الرسول النبي الامي الآية وكان حظ السابقين روحانية القربى منه والزلفى لديه والمحبة له فأولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين الآية وكان حظ أصحاب الشمال من روحانيته محابيهم في الدنيا وأمنهم من العقوبة المعجلة وما كان الله

(ليعذبهم)

ليعذبهم وأنت فيهم الآية فلما آن أوان ظهور جسمانيته صلى الله عليه وسلم الى الوجود نبت غصن وجوده مستقيما قويما فلما ثبت أصله ونبت فرعه ناداه متولى سياسته فاستقم كما أمرت فكانت صفته صلى الله عليه وسلم الاستقامة ومقامه دار المقامة فلما استقام رحل عن الكونين ولما أقام نقل من مقام الى مقام حتى استقر به المنزل فأقام فالمقام الاول مقام الوجود فى الدنيا وهو قوله تعالى يا أيها المدثر قم فانذر والمقام الثانى المقام المحمود فى الآخرة وهو قوله تعالى عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا والمقام الثالث مقام الخلود فى الجنة وهو قوله تعالى الذى أحلنا دار المقامة من فضله والمقام الرابع المقام المشهود مقام قاب قوسين لرؤية معبود ثم دنى فتدلى فكان قاب قوسين أو أدنى الآية فهو المخصوص بالدنو والعلو والشهود اذ كان هو المقصود من كل الوجود لان الوجود لما كان شجرة كان هو ثمرتها وكان جوهرتها فالشجرة المثمرة انما تثمر بالحبة التى نبت بها أصلها فاذا غرست تلك الحبة وغذيت وربيت حتى نبتت وفرعت وأورقت واهتزت وأثمرت فاذا نظرت تلك الشجرة رأيتها فى تلك الحبة التى نبت منها هذه الشجرة فالحبة فى البداية نطفة حتى اظهرت صورة الشجرة والشجرة فى النهاية بها ظهرت فاظهرت صورة تلك الحبة فكذلك بطونه صلى الله عليه وسلم فى المعنى السابق واختفاؤه وظهوره فى الصورة فى اللاحق واشتهاره وهو معنى قوله صلى الله عليه وسلم كنت نبيا وآدم بين الماء والطين فكان هو مظهر معنى هذه الشجرة وهو مظهر صورته صلى الله عليه وسلم فادرج بلسان القدم مذكورا وفى طى العدم منشورا وما مثال ذلك الامثال تاجر عمد الى قماشه وبزه فطواه فى خزانة ملكه وعباه أثوابا بعضها فوق بعض فأول ثوب دججه وطواه هو آخر ثوب أظهره وأبداه كذلك سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم كان أولا لكل وجود او آخرهم ظهورا وخروجا فلما تولى مقصار القدر سياسة هذا الغصن النبوى فغذاه بلباب بره وسقاه بكاس محبته وحماه فى قلة حماه ورباه حتى اهتزت رباه وتفرعت نفحات شذاه فكانت تلك النفحات غذاء أرواح العارفين ونور بصائر المؤمنين وريحانة حضرة المحبين وعرصة مجمع العاصين وغياث مستغرق المذنبين فاذهب من تلقاء أصحاب الشمال سموم خطيئة أو عاصف معصية فامال غصن اقدامه بقضاء الله شأنا فمال به الى عمل من أعمال أهل الشمال تلاعب بفرعه وأثر ذلك فى خضرة نضارة زرعه لكن أصله فى أرض الايمان ثابت فابصره ماحدث فى فرعه النابت اذا تداركه صاحب سياسته فحماه من ذلك الهوى وأماله الى طريق الاستقامة بعد الغاوى وسقاه بماء الاستغفار حتى ارتوى فهنالك يقبل منه ما نوى ويورق غصن ايمانه بعد ما ذوى ويقوم خطيب الاعتذار عنه وهو الصادق فيما نقل وروى ويقسم بالنجم اذا هوى ما ضل صاحبكم وما غوى ثم اعلم أن الغصن المحمدى قد حصل من روحانية ما هو مادة الارواح ومن جسمانية ما هو مادة الاشباح فأما مادة روحانية وجوده فى سر قوله تعالى الله نور السموات والارض الى قوله تعالى مصباح يعنى مصباح نور نبينا محمد صلى الله عليه وسلم فقد جعله مصباح

مشكاة الوجود فشبه الكون بالمشكاة وسيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم بالزجاجة والنور الذى هو قلبه بالمصباح فاشرق نور باطنه على ظاهره كاشراق المصباح فى الزجاجة صار نور المصباح نارا والزجاجة نورا لصفائها فصار نورا وكان حظ كل مخلوق من ذلك بحسب قربه منه واتباعه له والدخول فى شيعته والعمل بشريعته وهو معنى قوله تعالى أنزل من السماء ماء بقدر فشبه الله تعالى حبيبه محمدا صلى الله عليه وسلم بالماء النازل من السماء بقدر لان الماء حياة كل شئ وكذلك كان نوره صلى الله عليه وسلم حياة كل قلب ووجوده رحمة لكل شئ ثم بين انتفاع الناس بنوره ومانالهم من بركته صلى الله عليه وسلم بالاودية فجعل القلوب أودية منها الكبير والصغير والجليل والحقير فاحتمل كل قلب على قدر وسعه ومقدار مادته من الماء وتطرق السيل اليه قد علم كل أناس مشربهم ثم شبه جسمانيته بالزبد الرابى المحتمل على وجه الماء الصافى وهو مرباه الظاهر من الاكل والشرب والنكاح ومشاركة الناس فى أفعالهم وأحوالهم فذلك كله يذهب ويتلاشى وأما ماينفع الناس من نبوته ورسالته وحكمته وعلمه وسره فهو شفاعته فيمكث فى الارض ۞ واعلم انه انما كانت حكمة خلقه كذلك أنه خلق من لطيف وكثيف ليكون كامل الخلق كامل الوصف خلقه الله تعالى من ضدين جسمانى وروحانى فجعل جسمانيته وبشريته لملاقاة البشر ومقابسات الصور فجعل له قوة يلاقى بها البشر فيمدهم بمادة بشريته فيكون معهم ثم فيكون هو لهم أنا بشر مثلكم يجانسهم ويشاكلهم لانه لو برز اليهم فى هيئة روحانية ملكية نورانية لما أطاقوا مقابلته وما استطاعوا مقاومته فلذلك من الله تعالى بقوله لقد جاءكم رسول من أنفسكم ثم جعل له قوة وروحانية يقابل بها عالم الروحانيين وملكوت العلويين ليكون تام البركة تام الرحمة الروحانيون يشهدون جسمانيته ثم جعل له وصف ثالث خاص خارج عن هذين الوصفين وهو انه جعل فيه وصف ربانى وسر الهى يثبت به عند تجلى صفات الربوبية ويطيق به مشاهدة الحضرة الالهية ويتلقى به أسرار أنوار الفردانية ويسمع به خطاب الاشارات القدسية ويتنشق به عطر النفحات الرحمانية ويعرج به الى المقامات العذبة البهية وهو معنى سر قوله صلى الله عليه وسلم لست كأحدكم وقوله صلى الله عليه وسلم لى وقت لا يسعنى فيه غير ربى سبحانه فهذا المقام ليس يختص به ملك مقرب ولا نبى مرسل كأس لم يتناوله سواه عروس ما جليت الا عليه وهو هذا المقام المخصوص به وهو أحد المقامات الاربعة التى ذكرناها وأما الثلاثة الاخر فانها كرامات لسائر الخلق ليتناول كل منهم ما قسم له من النصيب فأما المقام المحمود فمخصوص بعالم الصورة وهو عالم الملك فى الدنيا فيتناولهم وجود طمأنينته وبركة نبوته ورسالته وما أرسلناك الا رحمة للعالمين أقيم على منبر يا أيها الرسول بلغ ما أنزل اليك من ربك الآية فهو فى الدعوة مجيبهم وفى النصيحة خطيبهم ومن الزلة طبيبهم ومن المحبة نصيبهم فهذا مخصوص بأهل الدنيا وأما المقام الثانى فهو المقام المحمود القيامة وذلك نصيب الملا الاعلى فنالهم من بركة مقامه ومشاهدة جماله

(وسماع)

وسماع كلامه يوم يقوم الروح والملائكة الآية يؤذن له في الخطاب فيقوم خطيبا والملائكة صفوفا والخلائق وقوفا فيفتتح خطبته بالشفاعة لامته ينادي أمتي أمتي فيجيبه رحمتي رحمتي وأما المقام الثالث فالشهود وذلك في دار الخلود لينال أهل الجنة منه نصيبهم تتنعم بمشاهدته الحور وتتشرف بحلوله القصور ويقدم لقدومه السرور وتزداد الجنة نورا وترفع بقدومه الحجب وتزول الشرور المقام الرابع هو المقام الذي خص به صلى الله عليه وسلم وهو مقام رؤية المعبود جل وعلا وهو مقام قاب قوسين أو أدنى وذلك انه لما كان ثمرة شجرة الكون ودرة صدفة الوجود وسره ومعنى كلمة كن ولم تكن الشجرة مرادة لذاتها وانما كانت مرادة لثمرتها فهي محمية محروسة لاجتناء ثمرتها واستجلاء زهرتها فلما كان المراد عرض هذه الثمرة بين يدي مثمرها وزفها الى حضرة قربه والطواف بها على ندمان حضرته قيل له يا يتيم أبي طالب قم فان لك طالب قد اداخر لك مطالب فارسل اليه أخص خدام الملك فلما ورد عليه قادما واتاه على فراشه نائما فقال له يا جبريل الى أين فقال يا محمد ارتفع الاين من البين فاني لا أعرف في هذه النوبة اين لكني رسول القدم أرسلت اليك من جملة الخدم وما تنزل الا بأمر ربك قال يا جبريل فالذي مرادي قال أنت مراد الارادة مقصود المشيئة فالكل مراد لاجلك وانت مراد لاجله وانت مختار الكون انت صفوة كأس الحب انت درة هذه الصدفة أنت ثمرة هذه الشجرة أنت شمس المعارف أنت بدر اللطائف ما مهدت الدار الارفعة محلك ما هيئ هذا الجمال الا لوصلك ما روق كأس المحبة الا لشربك قم فان الموائد لكرامتك ممدودة والملأ الاعلى يتباشرون بقدومك عليهم والكروبيون يتهللون بورودك اليهم وقد نالهم شرف روحانيتك فلابد لهم من نصيب جسمانيتك فشرف عالم الملكوت كما شرفت عالم الملك وشرف بوطء قدميك قمة السماء كما شرفت بهما أديم البطحاء قال يا جبريل لكريم يدعوني فماذا يفعل بي قال ليغفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر قال هذا لي فما لعيالي وأطفالي فان شر الناس من أكل وحده قال ولسوف يعطيك ربك فترضى قال يا جبريل الآن طاب قلبي ها أنا ذاهب الى ربي فقرب له البراق فقال مالي بهذا قال مركب العشاق قال أنا مركبي شوقي وزادي توقي ودليلي ليلي أنا الأصل اليه الا به ولا يدلني عليه الا هو وكيف يطيق حيوان ضعيف أن يحمل من يحمل أثقال محبته وروامي معرفته وأسرار أمانته التي عجزت عن حملها السموات والارض والجبال وكيف تطيق ان تدلني وأنت الحائر عند سدرة المنتهى وقد انتهى الى حضرة ليس لها منتهى يا جبريل أين أنت مني ولي وقت لا يسعني فيه غير ربي يا جبريل اذا كان محبوبي ليس كمثله شيء فأنا لست كأحدكم المركوب يقطع به المسافات والدليل يستدل به الى الجهات انما ذلك محل الحدثات وأنا حبيبي مقدس عن الجهات منزه عن الحدثات لا يوصل اليه بالحركات ولا يستدل عليه بالاشارات فمن عرف المعاني عرف ما أعاني هل ان قربي منه مثل قاب قوسين أو أدنى فوقفت هيئة الوقت على جبريل فقال يا محمد اعاجي بي اليك لاكون خادم دولتك وصاحب حاشيتك وجي

بالمركب اليك لاظهار كرامتك لان الملوك من عاداتهم اذا استزاروا حبيبا أو استدعوا قريبا وأرادوا ظهور كرامتهم واحترامهم أرسلوا اخص خدامهم وأعز دوابهم لنقل أقدامهم فجئناك على رسم عادة الملوك وآداب السلوك ومن اعتقد انه سبحانه وتعالى يوصل اليه بالخطا وقع فى الخطا ومن ظن محجوب بالغطاء فقد حرم العطاء يا محمد ان الملأ الاعلى فى انتظارك والجنان قد فتحت أبوابها وزخرفت رحابها وتزينت أترابها وروق شرابها كل ذلك فرحا بقدومك وسرورا بورودك والليلة ليلتك والدولة دولتك وانا منذ خلقت منتظر هذه الليلة وقد جعلتك الوسيلة فى حاجة قلت فيها حيلتى وانقطعت وسيلتى فانا فيها حائر العقل ذاهل الكفر داهش السر مشغول البال زائد البلبال يا محمد حيرنى او فقنى فى ميادين ازله وابده فجلت فى الميدان الاول فاوجدت له اول وملت الى الميدان الآخر فاذا هو فى الآخر اول فطلبت رفيقا الى ذلك الرفيق فتلقانى ميكائيل فى الطريق فقال لى الى اين الطريق مسدودة والابواب دونه مردودة لا يوصل اليه بالازمان المعدودة ولا يوجد فى الاماكن المحدودة قلت فاوقوفك فى هذا المقام قال شغلنى بمكاييل البحار وانزال الامطار وارسالها فى سائر الاقطار فأعرف كم اجاجها مددا وكم تقذف امواجها زبدا ولا اعرف للاحدية امدا ولا للفردية عددا قلت فأين اسرافيل قال ذلك أدخل فى مكتب التعليم بصافح بصفحة وجهه اللوح المحفوظ ويستنسخ منه ما هو مبرم ومنقوض ثم يقرا على صبيان التعليم فى مثال ذلك تقدير العزيز العليم ثم هو فى زمن تعلمه لا يرفع راسه حياء من معلمه فطرفه عن النظر مقصور وقلبه عن الفكر محصور فهو كذلك الى يوم ينفخ فى الصور قلت فهلم نسأل العرش ونستهديه ونستفيد منه ما علمه ونستمليه فلما سمع العرش ما نحن فيه اهتز طربا وقال لا تحرك به لسانك ولا تحدث به جنانك فهذا سر لا يكشفه حجاب وستر لا يفتح دونه باب وسؤال ليس له جواب ومن انا فى البين حتى اعرف له اين وما انا الا مخلوق من حرفين وبالامس كنت لا اثر ولا عين من كان بالامس عدما مفقودا كيف يعرف رؤية من لم يزل موجودا ولا والدا ولا مولودا وهو سبقنى بالاستواء وقهرنى بالاستيلاء فلولا استواؤه لما استويت ولولا استيلاؤه لما اهتديت استوى الى السماء وهى دخان واستوى على العرش لقيام البرهان فوعزته لقد استوى ولا علم لى بما استوى وانا والثرى بالقرب منه على حد سوى فلا احيط بمحتوى ولا اعرف ما زوى ولكنى عبده والكل عبيد ما نوى ثم انى اخبرك بقصتى واشكو اليك شكوى غصتى اقسم بعلى عزته وقوى قدرته لقد خلقنى وفى بحار احديته غرقنى وفى بيداء ابديته حيرنى تارة يطلع من مطالع ابديته فيدهشنى وتارة يدنينى من مواقف قربه فيؤنسنى وتارة يحجب بحجاب عزته فيوحشنى وتارة يناجينى بمناجاة لطفه فيطربنى وتارة يواصلنى بكاسات حبه فيسكرنى وكلما استعذبت من عربدة سكرى قال لسان احديته لن ترانى فذبت من هيبته فرقا وتمزقت من محبته قلقا وصعقت عن تجلى عظمته كما خر موسى صعقا فلما افقت من سكرة وجدى به قيل لى ايها العاشق هذا جمال

(فدصناه)

قد صناه وحسن قد حجبناه فلا ينظره الا حبيب قد اصطفيناه ويتيم قد ربيناه فاذا سمعت سبحان الذى اسرى بعبده فقف على طريق عروجه الينا وقدومه علينا لعلك ترى من يرانا وتفوز بمشاهدة من لم ينظر الى سوانا يا محمد اذا كان العرش مشوقا اليك فكيف لا اكون خادم يديك قدم اليه مركبه الاول هو البراق الى بيت المقدس ثم المركب الثانى وهو المعراج الى سماء الدنيا ثم المركب الثالث وهو اجنحة الملائكة من سماء الى سماء وهكذا الى السماء السابعة ثم المركب الرابع وهو جناح جبريل عليه السلام الى سدرة المنتهى فتخلف جبريل عليه السلام عندها فقال يا جبريل نحن الليلة اضيافك فكيف يتخلف المضيف عن ضيفه اههنا يترك الخليل خليله قال يا محمد انت ضيف الكريم ومدعو القديم لو تقدمت الآن بقدر انملة لاحترقت وما منا الا له مقام معلوم قال يا جبريل اذا كان كذلك الك حاجة قال نعم اذا انتهى بك الى الحبيب حيث لا منتهى وقيل لك ها انت وها انا فاذكرنى عند ربك ثم زج به جبريل عليه السلام زجة فخرق سبعين الف حجاب من نور ثم تلقاه المركب الخامس وهو الرفرف من نور اخضر قد سد ما بين الخافقين فركبه حتى انتهى به الى العرش فتمسك العرش بأذياله وناداه بلسان حاله وقال يا محمد الى متى تشرب من صفاء وقتك آمنا من مكره تارة يتشوق اليك حبيبك وينزل الى سماء الدنيا وتارة يطوف بك على ندمان حضرته ويحملك على رفرف رأفته سبحان الذى اسرى بعبده وتارة يشهدك جمال احديته ما كذب الفؤاد ما رأى وتارة يشهدك جمال صمدانيته ما زاغ البصر وما طغى وتارة يطلعك على اسرار ملكوتيته فأوحى الى عبده ما اوحى وتارة يدنيك من حضرة قربه فكان قاب قوسين او ادنى يا محمد هذا اوان الظمآن اليه واللهفان عليه والمتحير فيه لا ادرى من اى جهة آتيه جعلنى اعظم خلقه فكنت اعظمهم واشدهم خوفا منه يا محمد خلقنى يوم خلقنى فكنت ارعد من هيبة جلاله فكتب على قائمتى لا اله الا الله فازددت لهيبة اسمه ارتعادا وارتعاشا فلما كتب على محمد رسول الله سكن لذلك قلقى وهدا روعى فكان اسمك امانا لقلبى وطمأنينة لسرى ورقية لقلقى فهذه بركة وضع اسمك على فكيف اذا وقع جميل نظرك الى يا محمد انت المرسل رحمة للعالمين ولا بد لى من نصيب فى هذه الليلة ونصيبى من ذلك ان تشهد لى بالبراءة من النار عما نسبه الى اهل الزور وتقوله على اهل الغرور فانه اخطأ فى قوم فضلوا وظنوا انى اسع من لا حد له واحمل من لا هيئة له واحيط بمن لا كيفية له يا محمد من لا حد لذاته ولا عد لصفاته فكيف يكون مفتقرا الى او محمولا على فاذا كان الرحمن اسمه والاستواء صفته ونعته وصفته ونعته متصلان بذاته فكيف يتصل بى او ينفصل عنى ولا انا منه ولا هو منى يا محمد وعزته لست بالقرب منه وصلا ولا بالبعد عنه فصلا ولا بالمطيق له حملا ولا بالجامع له شملا وبالا اوجد له مثلا بل اوجدنى من رحمته منة وفضلا ولو محقنى لكان فضلا منه وعدلا يا محمد انا محمول قدرته ومعمول حكمته فكيف يصح ان يكون الحامل محمولا ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسؤلا فاجابه بلسان حاله صلى الله عليه وسلم ايها العرش اليك عنى فانا مشغول عنك فلا تكدر

على صفوتى ولا تشوش على خلوتى فانى الوقت محمد لعتابك ولا محل لخطابك فالعارة صلى الله عليه وسلم طرفا ولا قرأ من مسطور ما وحى اليه حرفا مازاغ البصر ثم قدم المركب السادس وهو التأييد فنودى من فوقه ولم يرخافتك قدامك هاانت وربك قال فبقيت متحيرا الا اعرف مااقول ولا ادرى ماافعل اذا وقعت على شفتى قطرة احلى من العسل وابرد من الثلج والين من الزبد واطيب ريحا من المسك فصرت بذلك اعلم من جميع الانبياء والرسل فجرى على لسانى التحيات المباركات لله الصلوات الطيبات لله فاجبت السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته فاشركت اخوانى الانبياء فيما خصصت به فقلت السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اراد بهم الانبياء عليهم الصلاة والسلام ولهذا قيل لابى بكر رضى الله عنه ليلة اسرى برسول الله صلى الله عليه وسلم انه راى ربه قال صدق وكنت معه متمسكا بأذياله مشاركه فى مقاله قيل كيف قال فى قوله السلام علينا فاجابه الملائكة اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسوله قال ثم نوديت ادن يا محمد فدنوت ثم وقفت وهو معنى قوله عز وجل ثم دنا فتدلى وقيل دنا محمد فى السؤال فتدلى فتقدم للرب عز وجل قيل دنا بالشفاعة وتقرب الى الرب بالاجابة وقيل دنا بالخدمة وتقرب الرب بالرحمة ثم دنا فتدلى معناه دنا محمد من ربه فتدلى عليه الوحى من ربه دنا بالطاعة فتدلى عليه رأفة ورحمة لا يوصف بقطع مفازة ولا مسافة فذهب الاين من البين وتلاشى الكيف واضمحل الاين فكان قاب قوسين فلو اقتصر على قاب قوسين لاحتمل ان يكون للرب مكان وانما قوله او ادنى لنفى المكان وكان معه حيث لا مكان ولا زمان ولا اوان ولا اكوان فنودى يا محمد تقدم فقال يارب اذا انتفى الاين فأين اضع قال ضع القدم القدم على القدم حتى يعلم الكل انى منزه عن الزمان والمكان والاكوان وعن الليل وعن النهار وعن الحدود والاقطار وعن الحد والمقدار يا محمد انظر فنظر فراى نورا ساطعا فقال ما هذا النور قيل ليس هذا نور بل هو جنات الفردوس لما ارتفعت صارت فى مقابلة قدميك وما تحت قدميك نداء لقدميك يا محمد مدا قدمك منقطع اوهام الخلائق يا محمد مادمت فى سير الاين جبريل دليلك والبراق مركبك فاذا ذهب المكان وغبت عن الاكوان ونفى الاين وارتفع البين من البين ولم يبق الاقاب قوسين فانا الآن دليلك يا محمد افتح لك الباب وارفع لك الحجاب واسمعك طيب الخطاب فى عالم الغيب وحدنى تحقيقا وايمانا فوحدنى الآن فى عالم الشهود مشاهدة وعيانا فقال اعوذ بعفوك من عقوبتك فقيل هذا لعصاة امتك ليس هذا حقيقة مدحى وحدنى فقال لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك فقال يا محمد اذا كل لسانك على العبارة فلا كسونه لسان الصدق وما ينطق عن الهوى فاذا ضل عيانك عن الاشارة فلاجعلن عليك خلعة الهداية مازاغ البصر وما طغى ثم لاصيرنك نورا تنظر به جمالى وسمعا تسمع به كلامى ثم اعرفك بلسان الحال معنى عروجك على وحكمة نظرك الى فكأنه يقول مشيرا يا محمد انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا والشاهد

(مطالب)

115

مطالب بحقيقة ماشهدبه ولا يجوزله الشهادة على غائب فأريك جنتي لتشاهد مااعددته
لاوليائي وارئك ناري لتشاهدمااعددته لاعدائي ثم اشهدك جلال واكشف لك عن جمالي لتعلم
اني منزه في كمالي عن المثيل والشبيه والبديل والنظير والمشير وعن الحد والقد وعن الحصر والعد
وعن الزوج والفرد وعن المواصلة والمفاصلة والمماثلة والمشاكلة والمجالسة والملامسة والمباينة
والممازجة يا محمد اني خلقت خلقي ودعوتهم الى فاختلفوا على فقوم جعلوا العزير ابني وان يدي
مغلولة وهم اليهود وقوم زعموا ان المسيح ابني واني لي زوجة وولدا وهم النصارى وقوم جعلوا لي
شركاء وهم الوثنية وقوم جعلوني صورة وهم المجسمة وقوم جعلوني محدودا وهم المشبهة
وقوم جعلوني معدوما وهم المعطلة وقوم زعموا اني لا ارى في الآخرة وهم المعتزلة وها انا
قد فضت لك بابي ورفعت لك حجابي فانظر يا حبيبي يا محمد هل تجد في شيأ مما نسبوني اليه فرآه صلى الله
عليه وسلم بالنور الذي قواه به وايده به من غير ادراك ولا احاطة فردا صمدا لا في شيء ولا على شيء
وقائما بشيء ولا مفتقرا الى شيء ولا هيكلا ولا شبها ولا صورة ولا جسما ولا محيزا ولا مكيفا ولا
مركبا ليس كمثله شيء وهو السميع البصير فلما كلمه شفاها وشاهده كفاحا فقال يا حبيبي يا محمد
لابد لهذه الخلق من سر لا يذاع وزمن لا يشاع فأوحى الى عبده ما اوحى فكان سر من سر
في سر وصل اللهم وسلم وبارك على اشرف مخلوقاتك سيدنا ومولانا محمد بحر انوارك
ومعدن اسرارك ولسان حجتك وامام حضرتك وعروس مملكتك وطراز ملكك
وخزائن رحمتك وطريق شريعتك وسراج جنتك وعين حقيقتك والمتلذذ
بمشاهدتك عين اعيان خلقك المقتبس من نور ضيائك صلاة تحل بها عقدتي
وتفرج بها كربتي وتقضي بها اربي وتبلغني بها طلبي صلاة دائمة بدوامك
باقية ببقائك قائمة بذاتك صلاة ترضيك وترضيه وترضى بها عنا
يارب العالمين وحسبنا الله ونعم الوكيل ولا حول ولا
قوة الا بالله العلي العظيم وصلى الله على
سيدنا محمد وعلى آله وصحبه
وسلم والحمد لله رب العالمين

تمت

م

قیامت آثار سلسلۂ الاولیٰ حضرت سلطان العارفین

سیرت رسول مقبول ﷺ پر جامع کتاب

سرورِ عالم ﷺ

تصنیفِ لطیف
حضرت مولانا محمد صالح نقشبندی

ناشر
علی برادران تاجرانِ کتب
نزد جامعہ رضویہ ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد










www.maktabah.org



فتوحاتِ مکیہ



شیخِ اکبر محی الدین ابن العربی علیہ الرحمۃ

مترجم علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

علی برادران تاجرانِ کُتب
ارشد مارکیٹ
جھنگ بازار فیصل آباد